مانیں نہ مانیں

ڈیل کارنیگی

Marfat.com

مانیں نہ مانیں

ڈیل کارنیگی

ترجمہ: جاوید شاہین

فکشن ہاؤس
18- مزنگ روڈ، لاہور

Marfat.com

جملہ حقوق محفوظ ہیں

نام کتاب : مانیں نہ مانیں

مصنف : ڈیل کارنیگی

پبلشرز : فکشن ہاؤس

18-مزنگ روڈ، لاہور

فون:7249218-7237430

اہتمام : ظہور احمد خاں

کمپوزنگ : فکشن کمپوزنگ اینڈ گرافکس، لاہور

پرنٹرز : اکرم پرنٹرز، لاہور

سرورق : عباس

اشاعت : 2010ء

قیمت : روپے

FICTION HOUSE 7249218 Rs. 200/- 18-Muzang Road Lahore

ہیڈ آفس : 18-مزنگ روڈ لاہور، پاکستان

برانچ لاہور
124-ٹیمپل روڈ لاہور
فون:042-7321040

سب آفس حیدرآباد
52,53 رابعہ اسکوائر حیدر چوک گاڑی کھاتہ حیدرآباد
فون:022-2780608

Marfat.com

فہرست

تعارف — اسلم کھوکھر — 7

ادیب

1- اپٹون سنکلیر — 12
2- الیگزینڈر ڈوما — 15
3- او' او' لکن ٹائز — 19
4- او ہنری — 22
5- ایچ- جی- ویلز — 25
6- ایڈگر ایلن پو — 29
7- چارلس ایل ڈاگ سن — 33
8- زین گرے — 35
9- لاؤ سا مے الکاٹ — 39
10- مارک ٹوین — 42
11- میری رابرٹ رینی ہارٹ — 45

بڑے لوگ

12- حضرت مسیح — 50
13- لینن — 53
14- مہاتما گاندھی — 56

Marfat.com

تاجر

15- ایف۔ ڈبلیو۔ وول ورتھ 60

16- کارنیلئس وینڈر بلٹ 63

حکمران

17- پرنس روڈلف 68

18- قلوپطرہ 72

19- کیتھرین 77

20- گرینڈ ڈچز ماری 81

21- نظام حیدر آباد 84

22- نکولاس دوم 87

خواتین

23- ایمی سمپل مکفرسن 92

24- جوزفین 95

25- کیری نیشن 99

26- مسز ابراہام لنکن 102

شریف لوگ

27- جنرل سوتر 106

فنکار

28- جارج گرش ون 110

29- کیری جیکب بانڈ 113

30- گریٹا گاربو 117

31- موزرٹ 121
32- والٹ ڈزنی 124

موجد

33- آرول رائٹ 128
34- البرٹ آئن سٹائن 131
35- تھامس ایڈ-سن 134
36- مارکونی 138

مہم باز

37- ایڈمرل رچرڈ بارڈ 142
38- کولمبس 145
39- ولفرڈ گرنفل 148
40- ولجالمر سٹیفن سن 152

ہوشیار لوگ

41- برگھم ینگ 156
42- بگ جم کا گروہ 161
43- پی- ٹی- بارنم 165
44- جون لا 168
45- رابرٹ ایل رپلے 171
46- ڈاکٹر ایس پارکس کاڈمین 175
47- لوول ٹامس 178
48- ول روجرز 181

تعارف

ڈیل کارنیگی 24 نومبر 1888ء کو امریکہ میں میری ول منروری کے مقام پر پیدا ہوا۔ کون کہتا ہے کہ وہ 1955ء کو انتقال کر گیا۔ یہ درست ہے کہ اس کا انتقال ہو گیا مگر وہ لاکھوں، کروڑوں نہیں بلکہ اربوں قارئین کے دلوں میں اپنی بے مثال تحریروں کی صورت میں زندہ ہے۔ اس کی ابدی زندگی اور شہرت دوام کا اندازہ اسی بات سے لگا لیں کہ کارنیگی نے جن اداروں سے فیض اکتساب کیا ان اداروں کی عزت و توقیر میں نہ صرف اضافہ ہوا بلکہ تشنگان علم اس کی مادر علمی کے درودیوار کو دیکھنا بھی قابل فخر گردانتے ہیں۔ کارنیگی نے سٹیٹ ٹیچرز کالج وارنزبرگ میں 1904ء سے لے کر 1908ء تک، امریکن اکادمی ڈرامیٹک نیویارک میں 1911ء اور کولمبیا یونیورسٹی سکول آف جرنلزم میں 1913ء اور نیویارک یونیورسٹی جرنلزم سے 1914ء میں تعلیم حاصل کی۔ اس نے لازوال شہرت کی حامل کتابیں تصنیف کیں۔ ایسی کتابیں تصنیف کرنے کا خواب تو ہر لکھاری دیکھتا ہے مگر ایسی تعبیر کارنیگی جیسے افراد کو ہی ملتی ہے۔ کارنیگی نے صرف اپنی کتابیں ہی نہیں لکھیں بلکہ قائل و متاثر کرنے کے طریقوں پر نیز گفتگو اور تقریر کے فن سے روشناس کرانے والے ادارے بھی چلائے جہاں پر ایسے فنون اور علوم پر عملی تعلیم دی جاتی تھی۔ کارنیگی امریکہ کے ستر اخباروں میں مخصوص موضوعات پر کالم بھی لکھا کرتا تھا۔ اس کی تمام کتب کے انگریزی سے اقوام عالم کی تقریباً تمام زبانوں میں تراجم شائع ہو چکے ہیں۔

یہ بات بغیر کسی شک و شبہے کہی جا سکتی ہے بلکہ اس کی تصدیق تو چہار دانگ عالم سے ہو چکی ہے جس سے کسی کو ذرہ بھر بھی تشکیک نہیں ہے کہ کارنیگی فن تقریر اور شخصیت سازی کا بانی ہے۔ وہ ابتداء سے اب تک شہرت کے سب سے اونچے مینار پر کھڑا ہے اور اسی مینار کی بنیاد اس بات پر استوار ہوئی کہ انتہائی مشکل اور کٹھن دور اور حالات میں کامیابی و کامرانی سے ہمکنار ہوا جا سکتا ہے۔ اس کی کتابوں کی مقبولیت کا اندازہ اس بات سے لگا لیں کہ جب اس کی کتاب "How to win Friends and Influence People" 1936ء میں شائع ہوئی تو اس کی ایک کروڑ کاپیاں فروخت ہوئیں۔ بین الاقوامی زبانوں کے

Marfat.com

تراجم کی اشاعت کے اعداد و شمار اس میں شامل نہیں۔

اس کی کتابوں کی مقبولیت کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ وہ اپنی کتابوں میں کامیابی و کامرانی کے راز تجربات کے ذریعے افشاں کرتا تھا۔ نیز وہ ان کتابوں میں خاکے اور اشکال اور امثال کی مدد سے قارئین کو الجھنوں اور دیگر جھنجھٹوں سے نجات دلاتا۔ اس کا انداز نگارش سادہ، سہل، دل نشین اور عام روزہ کے مطابق ہوتا۔ اس کی تحریر جادو سے مرصع ہوتی وہ جادو یہ تھا کہ اس کے دل و دماغ میں یہ بات راسخ ہو چکی تھی کہ انسانیت کی فلاح و بہبود کی جائے اور مسائل کے گرداب و بھنور میں ڈولتی ہوئی ناؤ کو منجدھار سے نکال کر کامیابیوں کے ساحلوں تک پہنچایا جائے۔ اس کی باتوں، تحریروں، انداز گفتار اور کتب میں اتنی اثر پذیری کا راز یہ تھا کہ وہ دل سے بات کرتا تھا اور وہ دل پر اثر کرتی ہے۔ اس اثر انگیزی سے سحرانگیزی کے چشمے پھوٹتے ہیں جو علم و عمل کے پیاسوں کی تشنگی کو بجھاتے ہیں۔

کارنیگی کی تحریروں اور تقریروں کا مرکز و محور یہ رہا ہے کہ وہ کہتا ہے کہ یقین اور اعتماد کی ڈور کو اپنے ہاتھوں سے چھوٹنے نہ دو پھر آپ کی خواہشات کی پتنگ نیلگوں آسماں کی بلندیوں کو چھو کر رہے گی۔ وہ انسانوں سے محبت کرنے کا درس دیتا ہے اور وہ اپنے قاری کو اپنے گر اور فن سے آگاہ کرتا ہے جس سے وہ لوگ جو دوسروں کے سامنے ہیچ نظر آتے ہیں اور ان کے گرد حقارت کا ہالہ مضبوط سے مضبوط تر ہوتا جاتا ہے وہ انہیں دوسروں کے دلوں کو اپنا مسکن بنانے اور انہیں وہاں پر ہمیشہ کے لئے مکین ہو جانے کی تراکیب سکھاتا ہے۔ اپنے قرب و جوار اور معاشرے و ملک کے اندر اپنی عزت و احترام اور کھوئے ہوئے وقار اور پامال شدہ ساکھ کے ملبے سے تعمیر نو کی بنیاد رکھنے کے لئے خود معمار کی طرح مختلف زاویے، طریقے اور ہنر سکھاتا ہے اور جب تک قاری ان انہدام شدہ کھنڈروں سے نئی عمارت تعمیر نہیں کر لیتا وہ خود بھی ہمت نہیں ہارتا اور نہ ہی قاری کو عزم و استقلال کے ہتھیار رکھنے دیتا ہے۔

ڈیل کارنیگی نے اپنی عملی زندگی کا آغاز ایک آہنی خود فروخت کرنے والی کمپنی سے کیا اور اپنے تجربات و مشاہدات کو اپنی کتاب
"Public Speeking and Influence Men in Business" جو کہ 1931ء میں شائع ہوئی اس کے بعد اس نے بطور استاد وارنزبرگ میں سٹیٹ ٹیچرز کالج میں تدریسی فرائض سرانجام دیئے۔

Marfat.com

کارنیگی کی کتابیں دنیا کے بیشتر ممالک کے تعلیمی اداروں کے نصاب میں شامل ہیں۔ اس کی کتابیں ان ممالک کے نصاب میں عملی تدریس کے طور پر پڑھائی جاتی ہیں جہاں پر اس بات کی تربیت دی جاتی ہے کہ مرد و زن کس طرح اور کن اصولوں اور قاعدوں پر عمل کرکے کامیاب زندگی گزار سکتے ہیں۔ نیز دوسروں سے کس طرح قابل قدر اور قابل احترام رشتوں کو استوار رکھا جا سکتا ہے۔

کارنیگی کتنا بڑا ماہر نفسیات ہے کہ اس نے ایسے موضوعات کو انتخاب کیا کہ اس کے موضوعات سے ہی اندازہ ہو جاتا ہے کہ اس نے مایوسیوں اور محرومیوں کی دلدل میں دھنسے ہوئے لوگوں کو کامیاب زندگی کی شاہراہ پر ڈال دیا۔ وہ ایک ماہر نباض کی طرح اپنے امراض کا کامیاب سے علاج کرتا ہے جس میں نہ ہینگ لگتی ہے نہ پھٹکڑی بس صرف اس کی کتابوں کا مطالعہ کرنا شرط ہے۔ کارنیگی ناکامی' نامرادی اور مایوسی جیسی تاریکیوں کے بطن سے مسرتوں کی سحر تک پہنچاتا ہے وہ ہمت اور حوصلے پر اسی قدر یقین رکھتا ہے کہ بڑی سے بڑی جنگ جیتنے کے لئے وہ پسپائی جیسے الفاظ سے ناآشنا ہے۔

ہم زندگی کی جنگ میں ہارے ضرور ہیں
لیکن کسی محاذ پر پسپا نہیں ہوئے

فکشن ہاؤس کا کردار قابل تحسین ہے کہ وہ بے شمار بین الاقوامی شہرۂ آفاق کتب کے تراجم اور آفاقی حیثیت کی کتابیں شائع کرکے کتابوں کو نئی زندگی اور نئے قارئین دے رہا ہے۔

اسلم کھوکھر
لیکچرار شعبہ اردو
پی۔ اے۔ ایف شاہین کالج لوئر ٹوپہ (مری)

Marfat.com

ادیب

Marfat.com

اپٹون سنکلیر

اس کی کتابیں دنیا کی اتنی زبانوں میں ترجمہ ہو چکی ہیں کہ ان میں سے اکثر کے نام اسے خود بھی نہیں آتے۔

اپٹون سنکلیر نے اڑتالیس کتابیں اور پانچ سو سے زائد کتابچے لکھے ہیں۔ اس کی کتابوں کی بیس لاکھ جلدیں جرمنی میں اور تیس لاکھ جلدیں روس میں فروخت ہو چکی ہیں۔ اس کی اصلاح پر مبنی ناولوں نے انقلاب روس لانے میں ایک حد تک مدد کی ہے۔ اگرچہ وہ ایک امریکن تھا۔ لیکن امریکہ کی بجائے اس کی کتابیں یورپ میں زیادہ مقبول عام ہیں۔ ایک دن میں فرینچ ریوایرا پر ایک بک سٹال پر گیا۔ وہاں اپٹون سنکلیر کی کتابیں دوسرے تمام انگریز اور امریکی ادیبوں کی کتابوں سے زیادہ موجود تھیں۔ اس کی کتابیں چوالیس زبانوں میں ترجمہ ہو چکی ہیں۔ اپٹون سنکلیر نے ایک دفعہ مجھے بتایا تھا کہ ان زبانوں میں سے وہ اکثر کے نام سے ناواقف تھا اور اسے یہ بھی معلوم نہ تھا کہ وہ کن ملکوں میں بولی جاتی ہیں۔ آج کل کے زمانے میں اس کی کتابیں دوسرے تمام مصنفین سے زیادہ پسند کی جاتی ہیں۔

سنکلیر نے سولہ برس کی عمر میں لکھنا شروع کیا اور وہ مسلسل ساٹھ برس لکھتا رہا۔ اس نے لاکھوں کی تعداد میں صفحات سیاہ کئے ہیں۔ اس نے اتنے الفاظ لکھے ہیں کہ اگر نئی اور پرانی دونوں بائیبلوں کو ملا دیا جائے تو ان کے الفاظ سے بھی زیادہ۔

اپٹون سنکلیر کے سامنے ایک واضح نصب العین تھا۔ وہ دنیا سے افلاس ختم کرنا چاہتا تھا۔ کیونکہ تجربات کی بنا پر وہ جانتا تھا کہ مفلسی کس قدر بے رحم ہوتی ہے۔ اس نے مجھے بتایا کہ ایک زمانہ اس پر ایسا بھی گزر چکا ہے کہ وہ چھ سال مسلسل مفلسی کے ظالم پنجے میں گرفتار رہا۔

اس کا باپ ایک شراب فروش تھا اور خود بھی زبردست شرابی۔ جب وہ لڑکا ہی تھا تو وہ رات کے وقت اپنے باپ کی تلاش میں ایک شراب خانے سے دوسرے شراب خانے میں گھوما کرتا، اور پھر وہ اپنے شرابی باپ کو کسی شراب خانے سے اٹھا کر اپنے بازوؤں کے

Marfat.com

سہارے آہستہ آہستہ گھر لے آیا کرتا اور اسے اس کے بستر میں لٹا دیتا۔ اس کی ماں اپنے شرابی خاوند کی جیبیں ٹٹولتی اور جس قدر نقدی ملتی اسے چھپا لیتی تاکہ اگلے دن وہ اس نقدی سے کھانا وغیرہ پکا سکے۔ وہ اس قدر غریب تھے کہ انہیں ٹوٹے پھوٹے اور اندھیرے مکانوں میں رہنا پڑتا تھا' اس قدر غریب کہ انہیں مسلسل مکان تبدیل کرنا پڑتا۔ کیونکہ وہ مکان کا کرایہ دینے سے قاصر ہوتے تھے۔ بڑے ہو کر اپٹون سنکلیر شراب کے سخت خلاف ہو گیا۔ وہ شراب کے خلاف گھنٹوں لیکچر دیتا رہتا۔ باپ کی زندگی کا اس پر یہ ردعمل ہوا کہ سنکلیر بڑا ہو کر چائے تک نہ پیتا تھا اور نہ ہی کبھی اس نے سگریٹ کو ہاتھ لگایا۔

دس سال کی عمر سے پہلے اسے سکول جانے کا موقع نہ ملا۔ اس نے پڑھنا خود ہی سکول جانے سے پہلے اس نے بہت سے مشہور انگریز ناول نگاروں کے کئی ناول پڑھ لئے تھے اور اسی طرح انسائیکلو پیڈیا کا ایک حصہ ازبر کر لیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اس نے ہائی سکول کی تعلیم دو سال میں ختم کر لی۔

جب وہ کالج میں داخل ہوا تو اس کے پاس ایک دھیلا نہ تھا۔ اس کی والدہ اس کے پاس رہا کرتی تھی اور اس کا سارا خرچ بھی سنکلیر ہی برداشت کرتا تھا۔ لہٰذا اس نے سات قسم کے رسالوں کے لئے کہانیاں اور ناول لکھنے شروع کر دیئے۔ اور اس طرح اپنے اور کالج کے اخراجات کو پورا کرنے لگا۔ وہ ہر رات ایک کہانی یا ناول کا ایک باب لکھتا۔ ایک مہینے میں وہ دو ناول مکمل کر لیتا۔ اس کے علاوہ اسے یونیورسٹی میں آٹھ گھنٹے تعلیم بھی حاصل کرنا ہوتی تھی۔ یہ کوئی معمولی کام نہ تھا۔ لاکھوں آدمیوں میں فقط ایک دو ہی کو اس قدر کام کرنے کی توفیق ہوتی ہے۔

کالج سے نکلنے کے بعد وہ بچوں کے رسالوں کے لئے مختلف قسم کی کہانیاں لکھ کر چودہ پونڈ فی ہفتہ کمانے لگا۔ اس وقت اس کی عمر بیس برس سے کم تھی۔ اور یہ آمدنی اس کے لئے ضرورت سے زیادہ تھی۔ لیکن اپٹون سنکلیر پیسوں کی خاطر ناول اور کہانیاں نہ لکھتا تھا۔ اس کے اندر ایک تند جذبہ کارفرما تھا۔ وہ مفلسی اور ناانصافی کو صفحہ ہستی سے مٹانا چاہتا تھا۔ وہ اسی جذبے کے تحت اپنی بیمار بیوی' بیمار بچے اور ساری آمدنی کو چھوڑ کر نیو جرسی چلا گیا اور وہاں ایک خیمہ نصب کر کے مفلسی اور ناانصافی کے خلاف پروپیگنڈا ناول لکھنے لگا۔ ایسے ناول جو دنیا کی اصلاح کر دیں۔ وہ پانچ برس رہا اور اس عرصے میں اس نے پانچ ناول لکھے۔ ان پانچ ناولوں سے پانچ برس میں اسے فقط دو سو پونڈ آمدنی ہوئی۔ دوسرے الفاظ میں

Marfat.com

چالیس پونڈ سالانہ یعنی ڈھائی شلنگ روزانہ۔

وہ اکثر لگاتار بھوک کا شکار رہا۔ ایک دن اس کی بیوی دکان پر گئی اور وہاں سے ایک میز پوش خرید لائی۔ لیکن جب اس کے خاوند کو اس فضول خرچی کا پتہ چلا تو اس نے کہا کہ وہ میز پوش فوراً" واپس کر دے۔ اس میز پوش کی قیمت ڈھائی شلنگ تھی۔ یعنی ڈھائی شلنگ سے دو دن کا کھانا بخوبی چل سکتا تھا۔

اس کے چھٹے ناول کا نام "جنگل" تھا۔ اس ناول نے ایک سنسنی پیدا کر دی اور اس کا معاوضہ اسے چھ ہزار پونڈ ملا۔ لیکن اس نے یہ سارا روپیہ نیو جرسی میں دریائے ہڈسن کے کنارے ایک ایسی بستی بنانے پر صرف کر دیا جو ادیبوں' آرٹسٹوں اور موسیقاروں کے لئے وقف تھی۔ اور جہاں انہیں ضروریات زندگی سستے داموں مل سکتی تھیں۔ سنکلیر کو جب کسی چیز کی ضرورت ہوتی تو وہ اس کے پیچھے اس طرح بھاگتا جیسے بلڈاگ بلی کے پیچھے بھاگتا ہے۔ مثال کے طور پر ایک دفعہ اس نے وائلین سیکھنے کا ارادہ کیا۔ وہ ہر روز آٹھ گھنٹے وائلین بجانے لگا اور تین سال تک مسلسل بجاتا رہا۔ جب اس کے ہمسایوں نے اس سے شکایت کی تو وہ اپنا وائلین لے کر جنگل میں نکل گیا۔ اور وہاں پرندوں اور چوپایوں کے سامنے سارا سارا دن وائلن بجاتا رہتا۔

اپٹون سنکلیر نے مجھے بتایا کہ وہ چار مرتبہ قید ہو چکا ہے۔ پہلی مرتبہ اس جرم کی سزا میں اسے اٹھارہ گھنٹے قید کیا گیا کہ وہ اتوار کے دن ٹینس کھیل رہا تھا۔ دوسری مرتبہ اسے تین دن تک قید رکھا گیا کہ وہ نیویارک میں جون۔ ڈی۔ راک فیلر کے دفتر کے سامنے خاموشی سے گھوم رہا تھا۔ تیسری مرتبہ اسے قید کرنے کی یہ وجہ تھی کہ اس نے بائبل کی ایک جلد ایک سپاہی کے ہاتھوں فروخت کی تھی۔ چوتھی مرتبہ وہ ریاستہائے امریکہ کا دستور ایک آدمی کی اجازت کے بغیر اس کے باغ میں پڑھ رہا تھا۔

○

Marfat.com

الیگزینڈر ڈوما

اس نے بارہ سو کتابیں لکھیں اور اس بات پر فخر کرتا تھا کہ وہ پانچ سو بچوں کا باپ ہے۔

سب سے زیادہ ہردلعزیز مہماتی کہانی کون سی ہے؟ "روبنس کروسو؟" "دون کنجوتے؟" "خزانے کا جزیرہ؟" فطری طور پر اس بارے میں ہماری رائیں مختلف ہیں۔ لیکن میں تو صرف "تین بندوقچی" کے حق میں ووٹ ڈالوں گا۔

"تین بندوقچی" کا شمار تقریباً ایک صدی سے سب سے زیادہ بکنے والی کتابوں میں ہے۔ اس وقت بھی سینکڑوں لوگ درجنوں مختلف زبانوں میں اس ناول کو پڑھ رہے ہوں گے۔

ناول نویسوں کی صف میں "تین بندوقچی" کا مصنف الیگزینڈر ڈوما ایک عجوبے کی حیثیت رکھتا ہے۔ اسے یہ شیخی بگھارنے میں بڑا مزا آتا تھا کہ وہ پانچ سو سے زیادہ بچوں کا باپ تھا۔ ممکن ہے اس نے یہ اندازہ لگاتے ہوئے کچھ زیادہ ہی رجائیت سے کام لیا ہو۔ لیکن اپنے مٹاپے اور بے تکے چہرے مہرے کے باوجود وہ عورتوں کو موہ لینے کا گر جانتا تھا۔ اس نے بار بار یہ دعویٰ کیا کہ وہ کبھی شادی نہیں کرے گا۔ لیکن اس سلسلے میں اس کی لاف زنی کچھ بے طرح بڑھ گئی تھی اور ایک محبوبہ نے اس کی سب ہیکڑی نکال دی۔ اس نے اپنے سرپرست سے کہا کہ وہ ڈوما کے تمام قرضے قرض خواہوں کو زیادہ رقم دے کر خرید لے۔ ان دنوں مقروض آدمی کو جیل بھیجا جا سکتا تھا۔ چنانچہ عظیم عاشق ڈوما کو شائستگی کے ساتھ مطلع کر دیا گیا کہ وہ ان دو باتوں میں سے ایک چن لے---- شادی کر لے یا جیل چلا جائے۔ ڈوما نے شادی کر لی۔

ڈوما کی شکل و صورت بھی عجیب تھی۔ اس کی رگوں میں تین چوتھائی خون تو گوروں کا تھا اور ایک چوتھائی حبشیوں کا۔ اس کی دادی جزائر غرب الہند کے ایک گنے کے فارم پر حبشن باندی کی حیثیت سے رہتی تھی۔ اس کا نام میری ڈوما تھا۔ اس غریب اور جاہل عورت نے گمنامی کی زندگی گزاری اور اسی حالت میں فوت ہوئی۔ اس بیچاری نے کبھی خواب میں بھی یہ

Marfat.com

نہ سوچا ہو گا کہ اس کے پوتے کی شہریار اور شاعر اور امراء تعظیم و تکریم کریں گے اور وہ اس کا نام چار دانگ عالم میں روشن کر دے گا۔

ڈوما اپنی حبشن دادی سے خاصی مشابہت رکھتا تھا۔ ویسے اس کا رنگ تو بالکل گورا تھا اور آنکھیں جزائر غرب الہند کے آسمان کی طرح نیلی تھیں۔ لیکن اس کے ہونٹ موٹے اور نتھنے چوڑے اور چپٹے تھے۔

اس نے تلواروں اور پستولوں سے مسلح ہو کر بیس مرتبہ ڈویل لڑے' اس کے بال تھے تو گیندے کی طرح زرد مگر بالکل اپنی حبشن دادی پر گئے تھے یعنی گھنے ہوئے اور گھونگھریالے تھے۔

خوش خوراک ہونے کے باعث وہ ہر قسم کی چٹنی تیار کرنے یا مرغ وغیرہ بھوننے میں اتنا ہی مشہور تھا جتنا ناول لکھنے کی قابلیت میں۔ وہ بیک وقت مچھلی کی کئی پلیٹیں' کئی بھنے ہوئے تیتر' نصف درجن کے قریب مختلف سبزیاں اور بہت سا پنیر کھا جایا کرتا تھا۔ جب وہ کھانے پر آتا تو اس قدر کھا جاتا کہ اگر مشہور زمانہ پیٹو .سمارک اسے دیکھ لیتا تو شرمندہ ہو جاتا۔ لیکن اپنی اس انتہا کے باوجود اس نے نہ تو کبھی شراب یا کافی اور نہ ہی کبھی سگریٹ پی تھی۔ جب وہ لکھنے میں مصروف ہوتا تو کھانے کی بھی پرواہ نہ کرتا۔ بعض دفعہ تو کھانا تناول کرنا بھی بھول جاتا۔ جب وہ کام میں مشغول ہوتا اور کوئی دوست ملنے آ جاتا تو وہ فقط اپنا بایاں ہاتھ دراز کر کے اسے خوش آمدید کہتا اور پھر لکھنے میں مصروف ہو جاتا۔

لیکن وہ جس قسم کا کاغذ یا قلم استعمال کرتا تھا اس کے متعلق انتہائی جذباتی ہوتا مثلاً وہ ناول صرف نیلے کاغذ پر اور خاص قسم کے قلموں سے لکھا کرتا تھا۔ شعر لکھتے وقت وہ زرد کاغذ اور مختلف قسم کے قلم استعمال کرتا۔ کسی رسالے کے لئے مضمون لکھتے وقت وہ گلابی کاغذ کے سوا کوئی دوسرا استعمال نہ کرتا۔ اور خواہ حالات کیسے بھی کیوں نہ ہوں اس نے کبھی نیلی سیاہی استعمال نہ کی تھی۔ نیلی سیاہی سے اسے چڑ تھی۔ اس نے میز پر بیٹھ کر کبھی ڈرامہ نہ لکھا تھا۔ ڈرامہ لکھنے کے لئے وہ صوفے پر دراز ہو جاتا اور اپنی کہنی کے نیچے نرم نرم تکئے رکھ لیتا۔

سب واہیات؟ جی ہاں۔ لیکن اس سے پیشتر کہ آپ اس پر ہنسیں۔ میں آپ کو بتاتا ہوں کہ اس نے زندگی میں کیا کچھ کیا۔ اس نے کوئی ایک سو ڈرامے' اتنے ہی ناول اور تاریخی کتابیں لکھیں۔ آج جب اس کی تمام نگارشات جمع کی گئیں ہیں تو وہ بارہ سو جلدیں بنی

Marfat.com

ہیں۔ ذرا سوچئے! بارہ سو جلدیں۔ اگر جون گالز وردی' جارج برنارڈشا' رابرٹ لیوس سٹیونسن' ایچ' جی' ویلز' ریارڈ کپلنگ' میری روبرٹس' اینی ہارٹ اور زین گرے۔ ان تمام مصنفوں کی نگارشات جمع کر لی جائیں تو پھر بھی ڈوما نے اکیلے ہی ان سے دگنا لکھا ہے۔

اس نے دس لاکھ سے زیادہ پونڈ کمائے۔ اپنے زمانے کے ہر مصنف سے بہت زیادہ۔ درحقیقت ادبی تاریخ میں شاید ہی کسی مصنف نے اپنی نگارشات سے اتنا روپیہ کمایا ہو۔ اس کے باوجود وہ اس قدر غریب تھا کہ جب اس کا پہلا ڈرامہ سٹیج ہونے والا تھا تو اس کے پاس اتنے پیسے نہیں تھے کہ اپنی قمیض کے لئے نیا کالر خرید کر اپنی زندگی کے اس سب سے بڑے واقعہ میں شرکت کر سکے۔

اس لحیم و شحیم دیو کو اپنی ماں سے بے حد پیار تھا۔ اس کا پہلا ڈرامہ سٹیج ہونے سے تین دن پہلے اس کی ماں فالج کا شکار ہو گئی۔ لہٰذا پیرس میں اپنی عظیم کامیابی کی پہلی رات کے موقع پر ڈوما اپنے ڈرامے کی ہر ایکٹ کے اختتام پر بھاگم بھاگ اپنی ماں کے پاس جاتا اور اس سے پوچھتا کہ اسے کسی چیز کی ضرورت تو نہیں تھی۔ اور اس رات جبکہ سارے پیرس میں اس کا نام مشہور ہو چکا تھا۔ وہ ایک چٹائی پر اپنی ماں کے قدموں میں سویا تھا۔

ڈوما کے ناولوں کا کردار اس کے نزدیک بے حد حقیقی تھا۔ وہ ان کے خواب دیکھتا اور ان کے متعلق یوں باتیں کرتا جیسے وہ بالکل حقیقی ہوں۔ وہ ان کے متعلق ایسے شوق اور رغبت سے لکھتا کہ آج بھی ایک سو سال بعد وہ آپ کو مسحور کر دیتے ہیں۔ بعض اوقات کردار نگاری کرتے وقت وہ کہانی میں اس قدر محو ہو جاتا ہے کہ بلند آواز میں قہقہے لگانے اور اپنے کرداروں سے مذاق کرنے لگتا۔ جیسے وہ اس کے اردگرد بیٹھے ہوں۔ بہت سے مصنفوں کے لئے لکھنے کا عمل اذیت ناک ہوتا ہے۔ مگر ڈوما کے ساتھ معاملہ برعکس تھا۔ اسے لکھنے میں بڑا لطف آتا تھا۔

وہ ایک مشتاق سیاح تھا۔ اس نے سارے یورپ کی سیر کی تھی۔ اس نے بیک وقت پانچ ناول شروع کئے ہوئے تھے اور یہ ہر روز قسط وار اخباروں میں شائع ہوتے تھے۔ اس کے پاس اتنا وقت نہ ہوتا تھا کہ اپنی کتابیں پڑھ سکے۔ لیکن اس کے پاس اتنا وقت ضرور تھا کہ تلواروں اور پستولوں سے بیس ڈویل لڑ سکے۔

جوں جوں وہ بوڑھا ہوتا گیا' وہ شراب عورتوں اور موسیقاروں کی طرف مائل ہونے لگا۔ نہیں نہیں میں نے غلط کہا ہے۔ اس نے نہ تو شراب ہی پی اور نہ ہی موسیقی کی طرف

Marfat.com

راغب ہوا۔ لیکن وہ لڑکیوں کا بے حد متوالا ہو گیا تھا۔

پیرس میں اگر کوئی خوبی ہے تو یہ ہے کہ بڑا وسیع القلب شہر ہے۔ اس شہر میں خواہ کچھ بھی ہوتا ہے لوگ توجہ نہیں دیتے۔ لیکن پیرس جیسے شہر تک میں ڈوما کی حیات معاشقہ ایک سنسنی خیز واقعہ بن گئی تھی۔ انجام کار اس کے عشق سے تنگ آ کر اس کا اپنا بیٹا اسے چھوڑ کر چلا گیا۔

ایک دن دوپہر کے وقت اس کا ایک دوست اسے ملنے آیا تو اسے لڑکیوں میں گھرا ہوا پایا۔ ایک اس کے گھٹنے پر بیٹھی ہوئی تھی۔ دوسری لڑکی اس کے قدموں پر لیٹی تھی۔ ایک اور لڑکی اس کے سر پر جھکی اس کے موٹے موٹے لب چوم رہی تھی اور ان تینوں لڑکیوں نے اس قدر لباس نہ پہن رکھا تھا کہ کسی مرد کے سامنے آ سکیں۔

لوگ اس کی دولت لوٹتے اور اسے چھوڑ کر چلے جاتے۔ ڈوما نے اپنا بڑھاپا مفلسی اور تنہائی میں گزارا۔ نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ مکان کا کرایہ ادا کرنے کے لئے اسے اپنے زیورات حتیٰ کہ اوور کوٹ تک گروی رکھنا پڑا۔ اگر اس کا بیٹا اس کی مدد نہ کرتا تو اسے بھوکوں مرنا پڑتا۔

موت سے تھوڑی دیر پہلے اس کے بیٹے نے دیکھا کہ وہ اپنا مشہور ناول "تین بندوقچی" پڑھ رہا تھا۔ اس کے بیٹے نے پوچھا' "ابا' آپ کو یہ ناول کیسا لگ رہا ہے؟" "اچھا ہے۔" اس نے مختصر جواب دیا۔

اچھا ہے؟ میں بھی یہی کہوں گا۔ اگر آپ تفریح طبع کے خواہاں ہیں تو یہ ناول پڑھئے۔ اس ناول کے بعد آج تک لاکھوں ناول لکھے گئے ہیں مگر وہ سب اس کے سامنے ماند پڑ گئے ہیں۔ "تین بندوقچی" ایک غیر فانی ناول ہے۔ آج سے دو سو سال بعد بھی آپ کے بچوں کے بچے' پھر ان کے بچوں کے بچے رات کی خاموشی میں بڑے مزے سے یہ ناول پڑھ رہے ہوں گے۔

○

Marfat.com

او' او' مکن ٹائر

دو کروڑ لوگ اس کا اخباری کالم ہر روز پڑھتے تھے لیکن وہ مداحوں کے سامنے آنے سے بے حد گھبراتا تھا۔

کئی سال تک او' او' مکن ٹائر اپنے اخباری کالم "روزمرہ کا نیویارک" کے سبب بے حد مشہور رہا۔ چار سو اٹھانوے اخبار اس کالم کو شائع کرتے اور تقریباً دو کروڑ لوگ یہ کالم روزانہ پڑھتے۔

وہ نیویارک کی روزمرہ زندگی کا بہترین تبصرہ نگار تھا۔ یہ الگ بات ہے کہ وہ مسوری میں پیدا ہوا اور چوبیس برس کی عمر سے پہلے اسے نیویارک میں آنے کا اتفاق نہ ہوا۔ لاکھوں لوگوں کے قریب مکن ٹائر کئی برس تک نیویارک کا مشہور ترین آدمی رہا۔

ایک دفعہ مجھے ٹیکساس کے شہر امیریلو میں جانے کا اتفاق ہوا۔ وہاں میں نے دیکھا کہ وہاں کے لوگ نیویارک کے فقط دو آدمیوں کے متعلق باتیں کرتے تھے۔ ایک او' او' مکن ٹائر اور دوسرا آرتھر' بیرس مین۔

لوگ لفافے پر مکن ٹائر کی فوٹو لگا کر اور اس پر کسی قسم کا ایڈریس لکھے بغیر لیٹر بکس میں ڈال دیتے تو وہ لفافہ اسے مل جایا کرتا تھا۔ اسے ہر ہفتے اس قسم کے تین چار خط ملا کرتے تھے۔

مکن ٹائر عجیب و غریب شخصیت کا مالک تھا۔ مثال کے طور پر جس اخبار میں اس نے کئی سال تک ملازمت کی اور جہاں سے وہ چار سو تیس پونڈ ہفتہ تنخواہ لیتا رہا۔ اس کے مالک سے وہ اس سارے عرصے میں فقط تین مرتبہ ملا۔ وہ اپنی تحریروں کے زور پر سال میں بیس ہزار پونڈ کمایا کرتا تھا۔ اس کے باوجود اس کے پاس کوئی سٹینو گرافر نہ تھا۔ وہ اپنے مضمون خود ہی لکھا کرتا تھا۔

اس کی تنخواہ امریکہ کے صدر سے زیادہ ہوتی تھی۔ اس کے باوجود اس نے اپنے دفتر کے متعلق کبھی پرواہ نہ کی تھی۔ اگرچہ اس کا ایک آفس بھی تھا۔ لیکن وہ وہاں کبھی نہ گیا تھا۔ وہ سارا کام گھر پر ہی کیا کرتا تھا۔

Marfat.com

مکن ٹائر کو کبھی یہ خواہش نہ ہوتی تھی کہ وہ ریڈیو پر تقریر وغیرہ کرے۔ اگرچہ اسے ایک سال میں ریڈیو کے اکتیس معاہدے پیش ہوئے تھے۔ ایک مرتبہ تو ریڈیو والوں نے اسے یہاں تک کہہ دیا تھا کہ وہ مائیکرو فون اس کے دفتر میں لگا دیں گے اور سو پونڈ فی منٹ کے حساب سے تقریر کرنے کا معاوضہ دیں گے۔ لیکن اس نے انکار کر دیا۔

وہ فلموں میں بھی کام نہ کرنا چاہتا تھا۔ اگرچہ ہالی وڈ والے کئی سال تک اس کے پیچھے پھرتے رہے۔ وارنرز براورز والے اس سے اپنی ایک فلم میں کام کرانے پر تل گئے تھے۔ انہوں نے اسے زیادہ سے زیادہ روپے کی پیش کش کر کے ترغیب دینا چاہی۔ لیکن اس نے ہر دفعہ انکار کر دیا۔ آخر کار انہوں نے اسے ایک خالی چیک بھیجا اور کہا کہ وہ اپنے ہاتھوں سے اس پر جتنی رقم چاہے لکھ سکتا ہے لیکن اس نے وہ چیک بھی اسے واپس کر دیا۔

میں نے ایک دفعہ اس سے پوچھا کہ اس نے اس قدر عظیم مواقع ہاتھ سے کیوں کھو دیئے، تو اس نے جواب دیا' "اصل بات یہ ہے کہ مجھے بولنا نہیں آتا۔ اس نے مجھے بتایا کہ ایک مرتبہ اس نے ایک دعوت کے موقع پر تقریر کرنا چاہی تو اس قدر خوفزدہ ہو گیا کہ الفاظ اس کے حلق میں اٹکنے لگے' اور وہ ایک لفظ بھی نہ کہہ سکا۔"

اس کا خیال تھا کہ اگر وہ ریڈیو پر پروگرام دے یا فلموں میں کام کرنا شروع کر دے تو سخت ناکام ثابت ہو گا۔ اس کے علاوہ حکومت نے اس کی آمدنی کا اسی فیصد حصہ بطور ٹیکس لے لینا تھا۔ لہٰذا وہ کیوں سر کھپاتا پھرتا۔

مکن ٹائر پٹس برگ میں پیدا ہوا جہاں اس کا باپ ایک ہوٹل چلاتا تھا۔ جب وہ تین برس کا تھا تو اس کی والدہ فوت ہو گئی۔ اس لئے اس کی نانی اسے اپنے پاس گیلی پولس لے گئی۔ بعد میں مکن ٹائر گیلی پولس کے ایک ہوٹل میں بطور کلرک کام کرنے لگا۔ اس ہوٹل میں اکثر نیویارک سے آنے والے مسافر ٹھہرا کرتے تھے جنہوں نے بڑا عمدہ قسم کا لباس پہنا ہوتا تھا۔ مکن ٹائر ان کے لباس سے بے حد متاثر ہوتا۔ آخر اس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ بھی نیویارک جائے گا۔

اس کے پاس اتنا روپیہ نہ تھا کہ سفر کر سکے۔ لیکن اس کے پاس ایک چیز تھی جو بہت تھوڑے لوگوں کے پاس ہوتی ہے۔ اس کے اندر جوان جذبات کی آگ روشن تھی۔ نیویارک کے متعلق اسے جس قدر کتابیں مل سکیں' اس نے پڑھ ڈالیں۔ پھر "اوہو" میں کئی سال تک. مختلف اخباروں میں کام کرنے کے بعد وہ "مین ہٹرف" آیا اور بینسنس نامی رسالے میں کام کرنے لگا۔ لیکن تین مہینے بعد وہ رسالہ بند ہو گیا۔ پھر وہ "ایوننگ میل"

Marfat.com

میں بطور پروف ریڈر کام کرنے لگا۔ چونکہ یہ کام اس کے مزاج کے مطابق نہ تھا' لہٰذا وہ دل لگا کر کام نہ کرتا۔ اسی لئے اسے ملازمت سے ہاتھ دھونے پڑے۔

پھر اس نے وہ کام شروع کر دیا جسے کرنے کا وہ ہمیشہ خواہش مند رہا تھا اس نے نیویارک کے متعلق ہر روز ایک مضمون لکھنا شروع کر دیا۔ لیکن کوئی اس کے یہ مضمون شائع کرنے کو تیار نہ تھا۔ آخر وہ بڑی مشکل سے انہیں چند ایک اخباروں میں شائع کرانے میں کامیاب ہو گیا۔ پھر آہستہ آہستہ اس کے ان مضمونوں کی مانگ بڑھنے لگی اور اس قدر بڑھی کہ وہ دنیا کا مشہور اور مصروف ترین صحافی بن گیا۔

او' او' مکن ٹائر کے متعلق ایک عجیب بات یہ بھی ہے کہ اگرچہ وہ شہر کے سب سے گنجان علاقے میں رہتا تھا۔ لیکن اسے ہجوم سے بے حد نفرت تھی۔ اور وہ لوگوں سے ملتے ہوئے گھبراتا تھا۔ وہ مکمل ایک برس تک اپنے ہوٹل سے باہر نہ نکلا اس کے دوست اسے لباس پہننے کی ترغیب دیتے۔ پھر اس کے ہاتھ میں چھڑی تھما کر اسے باہر لانے کی کوشش کرتے۔ لیکن وہ ہوٹل کے بیرونی دروازے تک ان کے ساتھ آتا اور پھر واپس اپنے کمرے میں چلا جاتا۔

ماہرین نفسیات اس قسم کے ڈر کو آدم بے زاری کا نام دیتے ہیں۔ مکن ٹائر نے مجھے بتایا کہ وہ کئی سال چھپ چھپ کر تھیٹر جاتا رہا تاکہ کوئی اسے دیکھ نہ لے۔ اگر لوگ اسے دیکھ کر پہچان لیتے تو وہ ہجوم کے درمیان بے حد گھبرا جاتا اور اس کے ہاتھ پاؤں پھول جاتے۔

مکن ٹائر نہ شراب اور نہ ہی سگریٹ پیتا تھا۔ وہ اکثر چیونگم کھاتا رہتا۔ اس کے پاس ایک رولس رائس تھی۔ لیکن وہ اکثر پیدل چلا کرتا تھا۔ اس نے ہر روز کم از کم تین میل پیدل چلنا اپنی عادت بنا لی تھی۔

وہ اپنا لباس نیویارک کے بہترین درزی سے سلاتا تھا۔ اس کے پاس اتنے عمدہ کپڑے تھے کہ پرنس آف ویلز دیکھ لیتا تو رشک کرتا' لیکن وہ سارا دن اپنا ڈریسنگ گاؤن اور پاجامہ پہنے کام کرتا رہتا تھا۔

اس نے فقط ایک لڑکی سے محبت کی اور اسی سے شادی کر لی۔ شادی کے وقت اس کی عمر چوبیس برس کی تھی۔

○

Marfat.com

او ہنری

وہ پانچ برس جیل میں رہا اور نامور ادیب بن گیا۔

آپ کے خیال میں سب سے مشہور افسانہ نگار کون گزرا ہے۔ ویسے اتنا میں بتا سکتا ہوں کہ آپ نے اس کی کہانیاں ضرور پڑھی ہیں۔ اس کی کتابوں کی چھ کروڑ سے زیادہ کاپیاں فروخت ہو چکی ہیں اور ان کا تقریباً ہر زبان میں ترجمہ ہو چکا ہے (مثلاً جاپانی اسپرانتو' چیک سلوواکی' ڈنمارکی' نارویجی' روسی' اردو' عربی' فارسی) اس کا قلمی نام او ہنری تھا۔ اور وہ آج سے کوئی اسی سال پہلے پیدا ہوا تھا۔

او ہنری کی زندگی ایک ایسے انسان کی جیتی جاگتی مثال ہے۔ جس نے عظیم الشان مشکلات کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور نامساعد حالات کے باوجود کامیاب ہو کر رہا۔

سب سے پہلی مشکل جو اس کی راہ میں حائل تھی' یہ تھی کہ اس نے بہت کم تعلیم حاصل کی تھی۔ اس نے کبھی ہائی سکول میں نہیں پڑھا اور کالج کی تو شکل بھی نہیں دیکھی۔ اس کے باوجود آج امریکہ کی آدھی یونیورسٹیوں میں اس کی کہانیوں کا اس لئے مطالعہ کیا جاتا ہے کہ وہ اچھی تحریر کے مثالی نمونے ہیں۔

دوسری مشکل یہ تھی کہ بیماری نے اس کا حال پتلا کر دیا تھا۔ ڈاکٹروں کو خدشہ تھا کہ وہ تپ دق سے مر جائے گا۔ اس لئے انہوں نے اسے ٹیکساس کی ریاست میں بھجوا دیا۔ وہاں اس نے ایک رانچ (مویشیوں کا میلوں لمبا باڑہ) پر بھیڑوں کی نگہبانی کا کام شروع کر دیا۔

آج سیاح موٹروں میں بیٹھ کر سینکڑوں میل دور سے اس رانچ کو دیکھنے آتے ہیں اور وہاں پہنچ کر وہ موٹر روک لیتے ہیں۔ اور اس جگہ کا احترام کے ساتھ پیدل چکر لگاتے ہیں جہاں کبھی او ہنری بھیڑیں چرایا کرتا تھا۔ تیسری بدنصیبی اسے یہ پیش آئی کہ جیل جانا پڑا۔ اب سنئے کہ وہ جیل کیسے گیا۔

جب اس کی صحت بحال ہو گئی تو اس نے ٹیکساس کے شہر اوسٹن کے ایک بینک میں خزانچی کی نوکری کر لی۔ اس علاقے کے گلہ بانوں اور کاؤ بوائے لوگوں کی یہ عادت تھی کہ

Marfat.com

جب کلرک مصروف ہوتے تو بینک میں داخل ہو کر جتنا جی چاہتا روپیہ جیب میں ڈال لیتے۔ اس کی رسید پر دستخط کرتے اور چلتے بنتے۔

ایک دن ایک اسٹیٹ بینک کا محاسب اچانک وہاں آ پہنچا۔ اس نے جو بینک کا حساب کیا تو روپیہ کم پایا او ہنری کو گرفتار کر لیا گیا۔ چونکہ خزانچی وہی تھا۔ اس پر مقدمہ چلایا گیا۔ اور اندازہ یہ ہے کہ اس نے کبھی ایک ڈالر کی بے ایمانی نہیں کی تھی' اسے پانچ سال کی سزا ہو گئی۔

اس وقت تو یہ سزا آفت ناگہانی سے کم نہ نظر آتی تھی۔ مگر ایک طرح سے یہ او ہنری کی خوش قسمتی ثابت ہوئی۔ کیونکہ جیل ہی میں او ہنری نے لکھنے لکھانے کا سلسلہ شروع کیا اور ایسے افسانے لکھ ڈالے جن کی بدولت وہ مشہور ہو گیا۔ اور اس کی عزت ہوئی۔ یہ عین ممکن ہے کہ اگر جیل نہ بھیجا جاتا تو وہ ایک افسانہ بھی نہ لکھتا۔

میں حال ہی میں سنگ سنگ جیل کے وارڈن سے ملا۔ اس نے مجھے بتایا کہ اس جیل میں تقریباً ہر قیدی اپنی زندگی کی کہانی لکھنا چاہتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ سنگ سنگ جیل میں اتنے قیدی لکھنا لکھانا چاہتے ہیں کہ جیل کے سکول نے ان کے لئے افسانہ نویسی کا ایک مفت کورس شروع کر رکھا ہے۔ فطری طور پر ان قیدیوں میں بہت کم کامیاب ہوتے ہیں۔ تاہم یہ مسلمہ امر ہے کہ بہت سے مشہور لوگوں نے جیل میں رہ کر لکھا ہے۔

مثلاً مشہور بانکے سر والٹر ریلے کو لے لیجئے جو اپنے جوتوں میں ہیرے جڑواتا اور کانوں میں موتی پہنا کرتا تھا۔ جس نے کیچڑ پر اپنا لبادہ اس لئے بچھا دیا تھا کہ ملکہ ایلزبتھ کے جوتے خراب نہ ہوں۔ اس تک نے جیل میں لکھا ہے' وہ سیاسی رقابت کی وجہ سے چودہ پر صعوبت سال تک قید رہا تھا۔

اس کی کوٹھڑی تنگ اور سیل تھی۔ دیواروں سے گدلا گدلا پانی رستا رہتا تھا سردی کی وجہ سے اس نے بہت تکلیف اٹھائی' اس کا بایاں بازو گٹھیا کے مارے اکڑ کر رہ گیا تھا۔ اس کے ہاتھ بھی خراب حالت میں تھے۔ اپنی دل شکستگی اور بدحالی کے باوجود اس نے قید خانے میں ایک تاریخ عالم قلمبند کی۔ اس واقعے کو تین سو سال بیت چکے ہیں مگر یہ تاریخ اب بھی کالجوں اور سکولوں میں پڑھائی جاتی ہے۔

انگریزی مصنف جون بنین بارہ سال قید رہا تھا۔ یہ سزا اسے اپنی مذہبی تعلیمات کی بنا پر ملی تھی۔ جیل میں وہ اپنی بیوی اور چار بھوکے بچوں کا پیٹ پالنے کے لئے لیس بنایا کرتا

Marfat.com

تھا۔ اس کے ہاتھ لیس بنانے میں مصروف رہتے تھے اور اس کا ذہن عظیم خیالات سے معمور رہتا تھا' اور اس نے اپنی سرد' اندھیری اور سیلی کوٹھڑی میں ایک کتاب لکھی جسے امریکہ کے تقریباً ہر طالب علم نے پڑھا ہے۔ اس کتاب کا نام "پلگرمز پروگریس" ہے۔ اور اس کا اتنی زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے کہ اس ضمن میں قرآن مجید اور انجیل کے سوا کسی کتاب کو اس پر فوقیت حاصل نہیں۔

ہسپانوی مصنف سیروانتیس نے اپنا شہرہ آفاق ناول "وون کیخوتے" جیل ہی میں لکھا تھا۔ والٹر اور اوسکر وائلڈ کو بھی یہ شرف حاصل ہے۔ ہٹلر کی خود نوشتہ حیات کی دس لاکھ سے زیادہ کاپیاں فروخت ہوئی تھیں اور اس کتاب کا کچھ حصہ ہٹلر نے دوران اسیری لکھا تھا۔ سچ پوچھئے تو میں ابھی اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ اگر آپ لکھنا چاہتے ہیں تو کہیں چوری کر کے گرفتار ہو جائیے (خیال رہے کہ ہندوستان میں جواہر لال نہرو اور مولانا آزاد نے بھی جیل میں رہ کر بہت کچھ لکھا ہے۔)

آج سے ڈھائی سو سال پہلے جب انگریزی شاعر رچرڈ لوئیں کو جیل بھیجا گیا تو اس نے انگریزی زبان کی ایک بہت ہی مشہور نظم لکھی۔ یہ ایک عشقیہ نظم ہے جو اس نے اپنی محبوبہ کے لئے لکھی تھی۔ اس کا نام ہے جیل خانے سے ایلتھیا کے نام۔

سنگی دیواروں سے قید خانہ نہیں بنتا۔ نہ لوہے کی سلاخوں سے قفس' بے داغ اور بے گناہ ذہن کے نزدیک تو یہ کنج عزلت ہے۔ اگر مجھے محبت کرنے میں آزادی حاصل ہے اور میری روح آزاد ہے تو یہ ایسی آزادی ہے جو صرف عالم بالا کے فرشتوں کے حصے میں آئی ہے۔

○

Marfat.com

ایچ۔ جی۔ ویلز

اگر بچپن میں اس کی ٹانگ نہ ٹوٹتی تو وہ ساری زندگی عدد کار پر کلرک
کی حیثیت سے گزار دیتا۔

تقریباً نوے برس پہلے کا ذکر ہے کہ لندن کے مضافات کی گلیوں میں کچھ لڑکے کھیل رہے تھے کہ ایک حادثہ وقوع پذیر ہوا' ایک بڑے لڑکے نے ایک چھوٹے سے لڑکے جس کا نام برٹی ویلز تھا' اٹھایا اور اوپر ہوا میں پھینک دیا۔ جب وہ لڑکا نیچے کی طرف آیا تو بڑے لڑکے نے اسے اپنے ہاتھوں میں کیچ کرنا چاہا لیکن وہ اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر زمین پر گر پڑا اور اس کی ایک ٹانگ ٹوٹ گئی۔

کئی مہینے تک برٹی ایک مسلسل عذاب کے عالم میں اپنے بستر پر لیٹا رہا۔ اس کی ٹانگ کے ساتھ بوجھ باندھ دیا گیا۔ چند ماہ کے بعد جب ٹانگ کا معائنہ کیا گیا تو معلوم ہوا کہ ٹانگ کی ٹوٹی ہوئی ہڈی اپنی مناسب جگہ پر نہ جمی تھی۔ لہٰذا ہڈی کو دوبارہ ہلا دیا گیا۔ ننھا برٹی اس تکلیف سے کئی روز نڈھال رہا۔

اس وقت یہ بات برٹی کے لئے ایک المیہ سے کم نہ تھی۔ لیکن اس المیہ کے باعث اس کا شمار دنیا کے مشہور ترین مصنفین میں ہونے لگا۔ اب آپ اسے برٹی کے نام سے نہیں بلکہ "ہربرٹ جارج ویلز" یا "ایچ' جی' ویلز" کے نام سے جانتے ہیں۔ ممکن ہے آپ نے اس کی بعض کتابیں بھی پڑھی ہوں۔ اس نے پچھتر سے زیادہ کتابیں لکھی ہیں۔ یہ بات اس نے خود تسلیم کی ہے کہ اس کی ٹانگ ٹوٹنا شاید اس کی زندگی کا سب سے اچھا حادثہ تھا۔ ایسا کیوں؟ کیونکہ ٹانگ ٹوٹنے سے وہ پورا ایک سال اپنے گھر سے باہر نہ نکلا تھا۔ بستر پر لیٹے رہنے سے شروع شروع میں تو وہ اکتا گیا۔ لیکن پھر اس نے کتابیں پڑھنی شروع کر دیں۔ اس کے ہاتھ جو بھی کتاب آتی اس نے پڑھ ڈالی۔ کیونکہ اس کے علاوہ اسے اور کوئی کام ہی نہ تھا۔ اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ اس کے اندر مطالعے کا شوق پیدا ہو گیا۔ اسے ادب سے محبت ہو گئی۔ اس نے پکا ارادہ کر لیا کہ وہ زندگی میں نام پیدا کر کے رہے گا۔ ٹوٹی ہوئی ٹانگ اس

Marfat.com

کی زندگی میں کایا پلٹ ثابت ہوئی۔

ایچ' جی' ویلز کا شمار ان مصنفین میں ہوتا ہے جو اپنی نگارشات کا سب سے زیادہ معاوضہ لیتے تھے۔ اس نے اپنے قلم کے زور پر تقریباً دو لاکھ پونڈ کمائے لیکن اس کا بچپن بے حد مفلسی میں گزرا تھا۔ اس کا باپ کرکٹ کا پیشہ ور کھلاڑی تھا اور ساتھ ہی کراکری کی ایک دوکان بھی کیا کرتا تھا۔ لیکن وہ دوکان بالکل نہ چلتی تھی۔ ایچ' جی' ویلز اسی دوکان کے ایک چھوٹے سے کمرے میں پیدا ہوا تھا۔ اس کا کچن دوکان کے نیچے ایک تہہ خانے میں تھا۔ وہ تہہ خانہ بڑا تاریک اور سیلا تھا۔ اور اس کے اندر روشنی آنے کا فقط یہی ایک ذریعہ تھا کہ باہر فٹ پاتھ پر ایک روشندان اس تہہ خانے کے اندر کھلتا تھا۔ ایچ' جی' ویلز کی ابتدائی یادداشتوں میں ایک یہ بھی ہے کہ وہ اس تاریک کچن میں بیٹھا اس روشندان کے قریب سے گزرنے والے لوگوں کے پاؤں دیکھتا رہتا۔ کئی سال بعد اس نے ان پیروں کے متعلق لکھا اور بتایا کہ وہ کس طرح لوگوں کے متعلق ان کے بوٹ دیکھ کر اندازہ کیا کرتا تھا۔

آخر کار کراکری کی دوکان ناکام ہو گئی۔ گھر کی حالت روز بروز پتلی ہونے لگی تو فاقوں سے بچنے کے لئے اس کی والدہ نے سوسیکس میں ایک امیر خاندان کے ہاں ملازمت اختیار کر لی۔ ایچ' جی' ویلز اپنی ماں کو ملنے کے لئے اکثر وہاں جایا کرتا۔ وہاں اسے زندگی میں پہلی مرتبہ اونچے طبقے کی طرز معاشرت دیکھنے کا اتفاق ہوا۔

ایچ' جی' ویلز ابھی تیرہ برس کا تھا کہ وہ زندگی میں اپنی روزی خود کمانے کے لئے مجبور ہو گیا۔ سب سے پہلے اسے ایک درزی کی دوکان پر ملازمت کرنا پڑی۔ اسے صبح پانچ بجے اٹھ کر دوکان صاف کرنی پڑتی۔ پھر وہ آگ جلاتا اور پھر چودہ گھنٹے دکان پر کام کرتا۔ یہ کام اس کے لئے ایک عذاب سے کم نہ تھا۔ ایک مہینے کے بعد دوکان کے مالک نے اسے تھپڑ مارے اور ملازمت سے برخاست کر دیا۔ کیونکہ وہ بڑے گندے کپڑے پہنا کرتا تھا۔

پھر اسے کیمسٹ کی دوکان پر ملازمت کرنا پڑی۔ لیکن وہاں بھی ایک مہینے کے بعد اسے نکال دیا گیا۔

آخر کار اسے ایک دوسرے درزی کی دوکان پر ملازمت مل گئی۔ چونکہ اسے اپنا پیٹ پالنے کے لئے کچھ نہ کچھ ضرور کرنا تھا۔ لہٰذا اس دوکان پر اس نے قدرے جم کر کام کیا۔ لیکن جب کبھی اسے موقع ملتا وہ چوری چھپے ہربرٹ سپنسر کی کتابوں کا مطالعہ کرنے لگ جاتا۔

دو سال اس نے وہاں ملازمت کی۔ لیکن اس کی ملازمتیں اس کی قوت برداشت سے

باہر تھیں۔ آخرکار ایک اتوار کی صبح کو وہ اٹھا اور بغیر کچھ کھائے پیئے خالی پیٹ پندرہ میل پیدل سفر طے کر کے اپنی ماں کے پاس پہنچ گیا۔ اس کی حالت بڑی غیر ہو رہی تھی۔ ماں کو دیکھتے ہی وہ زار و قطار رونے لگا۔ اس نے قسم کھا کر ماں سے کہہ دیا کہ وہ اس قسم کی ملازمتیں کرنے کی بجائے اپنے آپ کو ہلاک کر لے گا۔

پھر اس نے ایک بڑا اور ادھورا اور رقت آمیز خط اپنے ایک پرانے سکول ماسٹر کو لکھا۔ ویلز نے اسے اپنی تمام تکلیفوں سے آگاہ کیا اور آخر میں لکھا کہ وہ بالکل زندہ نہیں رہنا چاہتا۔ اسے یقین تھا کہ اس کے خط کا جواب نہ آئے گا۔ لیکن کچھ دنوں بعد جب خط کا جواب آ گیا تو اسے بے حد حیرت ہوئی۔ اس کے استاد نے اپنے سکول میں ملازمت کی پیش کش کی تھی۔

یہ اس کی زندگی میں ایک دوسرا کایا پلٹ واقعہ تھا۔

سکول کی ملازمت کرتے ہوئے اسے ابھی چند برس ہی ہوئے تھے کہ ایک ناگہانی آفت نے اسے آ لیا۔ ہوا یہ کہ وہ فٹ بال کھیل رہا تھا۔ کھیل کے دوران اسے چوٹ لگ گئی اور وہ گر پڑا۔ اس کی نبض چھوٹ گئی اور وہ قریب المرگ ہو گیا اس کا ایک گردہ پھٹ گیا اور اس کے داہنے پھیپھڑے میں سوراخ ہو گیا۔ اس کے اندر سے خون بری طرح سے بہہ رہا تھا۔ ڈاکٹروں نے جواب دے دیا۔ کئی مہینے تک وہ زندگی اور موت کے تذبذب میں گرفتار رہا۔ اس کے بارہ برس بعد تک اس نے نیم اپاہجوں جیسی زندگی گزاری۔ لیکن اس دوران اس نے وہ کتابیں لکھنی شروع کیں جن کی بدولت وہ مہذب دنیا میں نامور ہوا۔

پانچ برس تک اس نے بہت زیادہ لکھا۔ لیکن یہ کتابیں اس نے جس ناشر کے پاس بھی بھیجیں اس نے شائع کرنے سے انکار کر دیا۔ ایک ناشر نے اسے مشورہ دیا کہ وہ انہیں جلا دے اور پھر نئے سرے سے لکھے۔ ایچ' جی' ویلز کو اس کا مشورہ معقول نظر آیا اور اس نے اپنی پانچ سال کی محنت نذر آتش کر دی۔

آخرکار نیم اپاہج ہونے کے باوجود اسے ایک دوسرے سکول میں استاد کی جگہ مل گئی۔ وہاں بیالوجی کی کلاس میں ایک خوبصورت لڑکی تھی۔ اس کا نام کیتھرین روبرز تھا۔ ایچ' جی' ویلز کو احساس ہونے لگا کہ وہ بیالوجی کی نسبت کیتھرین روبرز میں زیادہ دلچسپی لینے لگا ہے۔ کیتھرین خوبصورت تو تھی لیکن اس کی صحت بڑی خراب تھی اور وہ اکثر بیمار رہتی تھی۔ یہی حال ایچ' جی' ویلز کا تھا۔ لہٰذا انہوں نے آپس میں شادی کر لی۔

یہ ساٹھ برس پہلے کی بات ہے۔ مرنے کی بجائے ایچ' جی' ویلز کی صحت روز بروز بہتر ہونے لگی۔ انجام کار وہ انسانی طاقت کا ایک زبردست ذخیرہ ثابت ہوا۔ ہر سال وہ دو ضخیم کتابیں لکھتا۔ ایسی کتابیں جو ساری دنیا میں ارتعاش پیدا کر دیتیں۔

ویلز کا ذہن ہر وقت خیالات سے روشن رہتا تھا۔ وہ رات کو اٹھ اٹھ کر اپنے خیالات نوٹ بک میں درج کرتا رہتا۔ یہ ست لڑکا جسے ایک درزی نے سستی کی بنا پر تھپڑ مار کر دوکان سے نکال دیا تھا۔ اسی لڑکے نے اپنی نوٹ بک میں اتنے خیالات جمع کر رکھے تھے کہ اگر وہ ڈیڑھ سو برس بھی لکھتا رہتا تو ختم نہ ہوتے۔

ایچ' جی' ویلز جہاں بھی چاہتا کچھ لکھ سکتا تھا۔ لندن میں اپنی ورکشاپ کے اندر گاڑی میں سفر کرتے وقت یا بحیرہ روم کے ساحل پر کسی چھتری کے نیچے بیٹھے ہوئے اس نے فرنچ ریویرا کے کنارے پر دوکان کرائے پر لے رکھی تھی۔ ان میں سے ایک اس کی ورکشاپ تھی اور دوسرا مہمان خانہ۔ وہ سارا دن کام کرتا اور شام کے وقت اپنے مہمانوں کے ساتھ گپ بازی میں مشغول ہو جاتا۔ اگر وہ کسی وجہ سے سٹیشن پر ان کا استقبال کرنے کے لئے نہ جا سکتا تو وہ دوسرا بہترین کام کرتا۔ وہ اپنی بہترین کار ان کے لئے بھیج دیتا اور ساتھ ہی اپنے شراب خانے کی کنجیاں۔ اس کا یہ اثر ہوتا کہ جب وہ اپنے مہمانوں سے ملتا تو وہ اچھے موڈ میں ہوتے۔

○

Marfat.com

ایڈگر ایلن پو

چھبیس برس کی عمر میں وہ اپنی بیوی سے دگنی عمر کا تھا۔ اسے اپنی دس برس کی محنت کا معاوضہ فقط دو پونڈ ملا۔

ایڈگر ایلن پو اپنی شاعری اور پراسرار کہانیاں لکھنے کے سبب انگریزی ادب میں ایک منفرد مقام کا مالک ہے۔ اسے امریکی ادب کا دیو کہا جاتا ہے۔ اس کے باوجود اسے ورجینیا یونیورسٹی میں سے اس لئے نکال دیا گیا کہ وہ شراب اور جوئے کی علت میں بری طرح گرفتار ہو گیا تھا۔ بعد میں ویسٹ پوائنٹ ملٹری اکیڈمی میں اس کا بار بار کوٹ مارشل کیا جاتا اور انجام کار اسے وہاں سے اس بنا پر نکال دیا گیا کہ وہ ملٹری کے تمام ضوابط نظر انداز کر کے اپنے کوارٹر میں بیٹھا شعر لکھتا رہتا تھا اور کبھی پریڈ پر حاضر نہ ہوتا تھا۔

پو ابتدائی زندگی ہی میں یتیم ہو گیا تھا۔ تمباکو کے ایک امیر تاجر نے اسے اپنا بیٹا بنا لیا۔ آخر یہ تاجر بھی اس کی عجیب حرکتوں کے باعث اس کے خلاف ہو گیا اور اس نے پو کو مار کر گھر سے نکال دیا۔ اسے اپنی جائداد سے بے دخل کر دیا' اور وصیت نامے میں لکھ گیا کہ اسے اس کے سرمائے میں سے ایک دھیلا نہ دیا جائے۔

پو کی شادی کی کہانی خوبصورت ادبی کہانیوں میں شمار ہوتی ہے۔ اس نے اپنی چچا زاد بہن ورجینیا کلم سے شادی کی۔ شادی کے وقت وہ مفلوک الحال تھا اس کے پاس کبھی پیسے نہ ہوتے تھے۔ اور نہ ہی اسے آئندہ کی امید تھی۔ وہ خام شراب بے تحاشا پیتا۔ اس کی اکلوتی بہن پاگل ہو گئی تھی اور بعض لوگوں کا خیال ہے کہ وہ نیم پاگل تھا۔ وہ عمر میں اپنی بیوی سے دگنا تھا۔ وہ چھبیس برس کا تھا اور اس کی بیوی تیرہ برس کی۔ تمام پیش گوئیوں کے مطابق اس کی شادی کا رشتہ جلد قطع ہو جانا چاہئے تھا۔ لیکن ایسا نہ ہوا' اور وہ بڑی کامیاب ثابت ہوئی۔ پو اپنی "بچہ بیوی" کی پرستش کرتا تھا اور اس کی غیر فانی محبت نے اس سے بعض ایسی عظیم نظمیں لکھوائیں جو انگریزی ادب میں ہمیشہ زندہ رہیں گی اور جنہوں نے

انگریزی ادب میں ایک نیا اضافہ کیا۔

ایڈگر ایلن پو نے ایسی کہانیاں اور نظمیں لکھیں جو ادبی خزانہ تصور کی جاتی ہیں۔ اس کے باوجود ان غیر فانی شہ پاروں کے عوض اسے اتنے پیسے نہ ملتے تھے کہ دو وقت کا کھانا خرید سکے۔ مثلاً اس نے دنیا کو ذیل کی بے مثال نظم دی۔

میرے مکان کے دروازے کے پاس
پالاس کے پژمردہ گنبد پر
کوا ابھی تک بیٹھا ہوا ہے
وہ اڑنے کا نام نہیں لیتا
اس کی آنکھیں نیند سے چور کسی عنقریب
سے مشابہہ ہیں
اس کے سر کے اوپر لمپ کی روشنی
فرش پر اس کے سایے کو خوفناک بنا رہی ہے۔

پو اپنی نظموں کے پہلے مجموعے "زاغ" پر دس برس تک محنت کرتا رہا۔ وہ اس مجموعے کی نظموں پر بار بار نظر ثانی کرتا۔ اس کے باوجود اس نے مجبوراً" یہ مجموعہ فقط دو پونڈ میں فروخت کر دیا۔ ہالی وڈ کا نامور ایکٹر جون بیری مور اپنی ایک منٹ کی خدمات کا معاوضہ اس سے زیادہ لیتا ہے۔

پو کو "زاغ" کے فقط دو پونڈ ملے۔ لیکن حال ہی میں پو کا یہ اصلی مسودہ ایک لاکھ پونڈ میں فروخت ہوا ہے۔ ایسا کیوں ہے کہ ہماری عظیم شخصیتیں اپنی زندگی میں تو فاقوں مرتی ہیں۔ لیکن جب وہ مرجاتی ہیں تو ان کے شہ پاروں کو لوگ گراں قیمتوں پر خریدنے کے لئے تیار ہوتے ہیں۔

نیویارک میں گرینڈ کنکورس میں وہ مکان ابھی تک موجود ہے جہاں پو اور اس کی بیوی ورجینیا رہا کرتے تھے۔ سو برس پہلے جب پو نے وہ مکان کرائے پر لیا تو اس کی حالت بہت خستہ تھی اور یہ گرنے کے قریب تھا۔ لیکن اب یہ بلند قامت خوبصورت عمارتوں کے درمیان گھرا ہوا ہے۔ لیکن اس زمانے میں اس کے سامنے ایک چھوٹا سا باغیچہ تھا اور اسے سیب کے درختوں نے چاروں سمت سے گھیر رکھا تھا۔ اور جب جنوب سے کاروان بہار آتا

Marfat.com

اور ہوا پھولوں کی مہک سے بوجھل ہو جاتی اور ہر طرف شہد کی مکھیوں کی گنگناہٹ سنائی دیتی تو یہ جگہ خوابوں کا جزیرہ محسوس ہونے لگتی۔

پو نے یہ مکان دس شلنگ ماہوار کرائے پر لے رکھا تھا۔ لیکن وہ اتنا معمولی کرایہ ادا کرنے کی سکت بھی نہ رکھتا تھا۔ بعض اوقات تو وہ کئی ماہ کرایہ ادا ہی نہ کرتا تھا۔ اس کی بیوی بیمار تھی۔ اسے تپ دق ہو گئی تھی۔ بیوی کا علاج تو ایک طرف رہا۔ اس کی پرہیزی غذا کے لئے بھی پو کے پاس پیسے نہ ہوتے تھے۔ بعض اوقات وہ کئی دن کچھ کھائے پیے بغیر گزار دیتے۔ جب ان کے باغیچے پر کچنار پر پھول آتے تو وہ انہیں ابال کر کئی کئی دن اپنی گزر اوقات کرتے۔

جب ہمسایوں کو معلوم ہوا کہ پو اور اس کی بیوی بھوکوں مر رہے ہیں تو وہ ان کے لئے کھانا لاتے، کتنی قابل رحم بات ہے۔ ان سب تلخیوں کے باوجود پو کے پاس گیت لکھنے اور ورجینیا کے پاس محبت کرنے کی صلاحیت موجود تھی اسی لئے اپنی مفلسی کے باوجود وہ خوش تھے۔

ورجینیا نے اسی مکان میں وفات پائی۔ اپنی موت سے کئی ماہ قبل وہ علالت کی حالت میں ٹاٹ پر لیٹی رہتی۔ اس کے تن پر اتنے کپڑے بھی نہ ہوتے کہ اسے گرم رکھ سکیں۔ جب وہ زیادہ سرد ہو جاتی تو اس کی ماں اس کے ہاتھ اور پو اس کے پاؤں ملنے لگتا۔ پو اپنے پرانے فوجی کمبل سے اس کا کانپتا ہوا جسم ڈھانپ دیتا۔ رات کے وقت وہ بلی کو اس کے پاؤں کے درمیان سونے پر مجبور کرتا۔

جب وہ فوت ہو گئی تو پو کے پاس تجہیز و تکفین کے لئے ایک آنہ نہ تھا۔ آخر ہمسایوں نے مل کر یہ رسم ادا کرنے میں اس کی مدد کی۔

کئی برس پہلے نیویارک کی حکومت نے وہ مکان خرید کر اسے ایک زیارت گاہ بنا دیا ہے۔ میرے لئے یہ ایک ایسا شبستان ہے جو مغموم یاد دل سے بھرا ہو۔ جب میں یہاں آتا ہوں تو میرے لئے واپس جانا مشکل ہو جاتا ہے۔

ورجینیا جنوری میں فوت ہوئی تھی، وقت گزرتا گیا، موسم بہار آکر گزر جاتا رہا۔ چاند سیب کے درختوں پر لٹکتا رہا اور ستارے مغربی افق میں ٹمٹماتے رہے۔ لیکن پو بیٹھا اپنی بیوی کی محبت میں جلتا رہا۔ اس تپش کی بدولت اس نے ایک ایسی پیاری نظم لکھی جو محبت:

Marfat.com

لازوال تحفہ ہے۔

چاند جب بھی آیا
اپنے ہمراہ ایتابل لی کے حسین خواب لے کر آیا
ستاروں کی چمک سے
مجھے ایتابل لی کی خوبصورت آنکھوں کی چمک یاد آگئی
میں ساری رات اندھیرے کی چادر میں ملفوف
سمندر کے کنارے
اپنی زندگی' اپنی پیاری بیوی کی قبر میں
اس کے پہلو میں سویا رہتا ہوں۔

○

Marfat.com

چارلس ایل ڈاگ سن

وہ دنیا کی ایک مشہور ترین کتاب لکھنے پر بے حد نادم تھا۔

نوے برس پہلے کا ذکر ہے کہ ایک منکر اور شرمیلا نوجوان تین چھوٹی بچیوں کو اپنے ہمراہ لندن میں دریائے ٹیمز پر کشتی میں سیر کرانے کے لئے لے گیا۔ جب وہ کشتی میں سوار ہوا تو وہ ایک گمنام انسان تھا۔ لیکن جب گھنٹوں بعد وہ بچیوں کے ہمراہ کشتی میں سے نکلا تو وہ انیسویں صدی کی ایک نامور ہستی بننے کے راستے پر گامزن ہو چکا تھا۔

اس کا نام ڈاگ سن تھا۔ لیکن آپ اسے اس نام سے نہیں جانتے۔ ویسے یہ اس کا حقیقی نام تھا۔

بعض اوقات اسے پادری ڈاگ سن کہا جاتا اور بعض اوقات ڈاگ سن۔ بات دراصل یہ تھی کہ وہ ہفتہ بھر آکسفورڈ یونیورسٹی میں ریاضی پڑھاتا تھا اور اتوار کو کلیسا میں وعظ کیا کرتا تھا۔

جب وہ بالغ لوگوں سے باتیں کرنے کی کوشش کرتا تو گھبرا جاتا اور اس کی زبان میں لکنت آ جاتی۔ لیکن وہ چھوٹی چھوٹی بچیوں کو بے تکی کہانیاں سنانے میں بڑا لطف حاصل کرتا تھا۔ جب وہ تین بچیوں کو دریائے ٹیمز پر کشتی میں سوار کرا رہا تھا تو اس نے ان کا لطف دوبالا کرنے کی خاطر انہیں ایک بڑی عجیب و غریب کہانی سنائی۔

اس نے انہیں ایک ایسی چھوٹی بچی کی کہانی سنائی جو نیند کے عالم میں ایک خرگوش کے بل میں گر پڑی اور وہاں سے ایک حیرت ناک میں پہنچ گئی۔ بچیاں حیرت سے آنکھیں پھاڑے کہانی سنتی رہیں۔ وہ کشتی اور دریا کی سیر بالکل بھول گئیں جب کہانی ختم ہو گئی تو انہوں نے پروفیسر سے درخواست کی کہ وہ ان کی خاطر، اس کہانی کو لکھ دے۔ پروفیسر نے ان کی بات مان لی اور ساری رات بیٹھا کہانی لکھتا رہا۔ چونکہ ان بچیوں میں سے ایک کا نام ایلس تھا۔ لہٰذا اس نے اس کہانی کا نام "ایلس حیرت ناک دنیا میں" رکھ دیا۔

اس نے کہانی لکھ کر الماری کے ایک گوشے میں رکھ دی اور اسے بھول گیا۔ اس کے

Marfat.com

ذہن میں کبھی یہ خیال نہ آیا تھا کہ کوئی اسے پڑھنے کا خواہشمند ہو گا۔

کئی برس بعد اس کا ایک دوست اسے ملنے آیا اور اچانک اس کی نظر اس کہانی کے مسودے پر پڑ گئی۔ وہ دوست مسودے پر سے گرد جھاڑ کر اسے پڑھنے لگا۔ کہانی پڑھ کر اسے بڑا لطف آیا۔ وہ اس کہانی کو شائع کرنے پر مصر ہو گیا۔ لیکن پروفیسر کسی طرح اس بات پر آمادہ نہ ہوتا تھا۔ وہ آکسفورڈ میں ریاضی کا پروفیسر تھا۔ کیا وہ دنیا پر یہ انکشاف کر دے کہ وہ بچوں کے لئے بے تکی اور مضحکہ خیز کہانیاں بھی لکھتا ہے، ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ یہ اس کی شان کے خلاف تھا۔ وہ تو اسے شائع کرانے کے متعلق سوچ بھی نہ سکتا تھا۔

لیکن جب "ایلس حیرت ناک دنیا میں" شائع ہوئی تو اس پر ایک فرضی مصنف کا نام تھا، لیوس کیرول۔

یہ کتاب بے حد کامیاب اور مقبول ہوئی۔

لوگوں نے اسے ہاتھوں ہاتھ خریدا اور تھوڑے ہی عرصے میں اس کا ترجمہ چودہ زبانوں میں ہو گیا۔ اس کتاب کی ایک نظم کے یہ مصرعے لوگ ہر جگہ دہراتے نظر آتے تھے:

وارلس نے کہا:

اب کئی قسم کی باتیں کرنے کا
وقت آگیا ہے
مثلاً جوتوں، جہازوں، موم، گوبھی اور بادشاہوں
کے متعلق باتیں کرنے کا وقت
اور یہ سمندر مدت سے جوش کیوں دکھا رہا ہے
کیا سوروں کے بھی پر ہوتے ہیں۔

سال بہ سال "ایلس حیرت ناک دنیا میں" کی مقبولیت میں اضافہ ہو رہا ہے اب تک اس کتاب کے انگریزی میں دو سو ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ گزشتہ نوے برس سے اسے ساری دنیا میں بچوں کی مقبول ترین کتاب سمجھا جا رہا ہے۔

○

Marfat.com

زین گرے

جب ناشر نے اس کے ناول کا مسودہ رد کر دیا تو وہ اس کی دوکان کے
باہر زار و قطار رونے لگا۔

زین گرے نامور امریکی ناول نگار مسلسل ناکامیوں' حوصلہ شکنیوں اور مفلسی سے مقابلہ کرتا ہوا آخرکار اس مقام پر پہنچ گیا کہ آج امریکہ تو کیا سارے یورپ اور دوسرے بہت سے ممالک میں اس کے ناول بڑے شوق سے پڑھے جاتے ہیں۔ یہ ساری شہرت اس نے ایک چھوٹے سے گاؤں میں دنیا سے الگ تھلگ رہ کر حاصل کی۔

آج کل رسالوں کے ایڈیٹر زین گرے کو اس کی ایک کہانی کا معاوضہ پندرہ ہزار پونڈ دیتے ہیں۔ اکثریوں بھی ہوتا ہے کہ وہ کہانی لکھنے کا وعدہ کر کے یہ رقم حاصل کر لیتا ہے اور کہانی کے دائمی حقوق بھی اس کے حق میں محفوظ رہتے ہیں اس کے باوجود اس کی اولین کتاب فقط تین پونڈ میں بک سکی تھی۔ اس کے ناشروں کا کہنا ہے کہ وہ زین گرے کی کتابوں کی تقریباً دس لاکھ جلدیں ہر سال فروخت کرتے ہیں۔ لیکن جب اس نے لکھنا شروع کیا تو اسے مسلسل فاقوں کا شکار رہنا پڑتا تھا۔

شروع شروع میں اس کا باپ اس بات پر مصر تھا کہ زین گرے دندان سازی سیکھے۔ زین گرے یہ کام ہرگز نہ سیکھنا چاہتا تھا۔ کیونکہ اسے اس میں ذرہ بھر دلچسپی نہ تھی۔ لیکن والد کا حکم اٹل تھا۔ آخر مجبور ہو کر اس نے دندان سازی سیکھنی شروع کر دی اور اس پیشے میں سند حاصل کر کے اپنی دوکان کھول لی۔ وہ سارا دن لوگوں کے دانتوں کا معائنہ کرنے' پرانے دانت اکھاڑنے اور نئے دانت لگانے میں مشغول رہتا۔ لیکن وہ فقط پیٹ کی خاطر مجبوراً" یہ کام کرتا۔ اس کے دل میں تو کوئی اور لگن تھی۔

جب وہ دانت وغیرہ بنانے میں مشغول ہوتا تو اس کا ذہن امریکہ کے مغربی علاقوں کی مار دھاڑ والی زندگی کی تصویر ذہن میں بسائے رکھتا۔ اسے مغرب کے وہ گھڑسوار جو بہترین نشانچی

ہوتے ہیں اور جو ایک دم ذرا سی بات پر خون بہا دیتے ہیں' بے حد پسند تھے۔ وہ ان کی زندگیوں کے متعلق بہت کچھ لکھنا چاہتا تھا۔ جب کبھی اس کی دوکان کے سامنے کوئی ایسا گھڑ سوار گزرتا تو اس کے ذہن میں پہلا یہ خیال آتا کہ وہ کسی بینک کو لوٹنے جا رہا ہے۔

جوں جوں دن گزرتے گئے' زین گرے دوکان کی پر جمود زندگی کے تسلسل سے اکتاتا گیا۔ اس کے لئے ایک ہی جیسے دن گزارنے بے حد مشکل ہو رہے وہ سوچتا کہ لوگ کس طرح ایک ہی کام ساری زندگی کرتے رہتے ہیں۔ جب وہ صبح دوکان کھولتا تو اسے یوں محسوس ہوتا جیسے کوئی اسے باندھ کر وہاں لاتا ہے۔ دن کے وقت جب وہ اپنے خوابوں میں محو ہو جاتا تو اس کے لئے فقط وہی خوشی کے لمحات ہوتے تھے۔

آخر کار اس نے ادیب بننے کا تہیہ کر کے دوکان چھوڑ دی اور سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر ایک چھوٹے سے گاؤں میں چلا گیا تاکہ کم میں گزر اوقات کر سکے۔

بعض اوقات وہ کئی مہینے بلکہ پورا ایک برس ایک ناول لکھنے پر صرف کر دیتا۔ ناول مکمل کرنے کے بعد وہ اسے دوبارہ پڑھتا اور کئی جگہ سے اس کا پلاٹ اور کئی کردار بدل دیتا۔ پھر وہ نئے سرے سے ناول کو بڑے جوش و خروش سے پڑھتا اور دل میں خوش ہوتا کہ اس نے بڑا معرکہ سر کیا ہے۔ اسے یقین ہونے لگتا کہ وہ ایک عظیم ناول نگار بننے والا ہے۔ لیکن دوسرے لوگ تو اس کے یقین میں شریک نہ ہوتے تھے۔ کیونکہ سارے امریکہ میں کوئی ایسا ناشر نہ تھا جو اس کی کتابیں شائع کرنے پر تیار ہوتا۔

وہ پورے پانچ برس تک دن رات ناول لکھتا رہا۔ ان پانچ سالوں میں اس کی آمدنی صفر کے برابر تھی۔ وہ کبھی کبھار گرمیوں میں بیس بال کے پیشہ ور کھلاڑی کی حیثیت سے تھوڑا بہت روپیہ کما لیتا۔ لیکن اپنی نگارشات سے اسے اب تک ایک پائی نہ وصول ہوئی تھی۔

ایک دن جب وہ ایک ناول فروخت کرنے کی غرض سے ایک ناشر کے پاس گیا ہوا تھا تو اس کی ملاقات کرنل بیفلو جونز سے ہو گئی۔ کرنل جونز ایک ایسے ادیب کی تلاش میں تھا جو اس کے ساتھ مغربی علاقوں میں جائے اور اس سفر کی روئیداد دلکش پیرایہ میں لکھے۔ زین گرے مغربی علاقوں کی زندگی کا پہلے ہی سے گرویدہ تھا اور اسے دیکھے بغیر اسی کے متعلق لکھتا رہتا تھا۔ یہ موقع اس نے ہاتھ سے نہ جانے دیا اور کرنل جونز کے ساتھ جانے کے لئے ایک دم رضامند ہو گیا۔

چھ ماہ مغرب کی ہنگامہ خیز اور پرخطر دنیا میں گزارنے کے بعد زین گرے گھر واپس آ گیا اور اگلے چھ ماہ اسی دنیا کے متعلق ایک ناول لکھنے میں مصروف رہا۔ اس مرتبہ اسے یقین تھا کہ اس کا ناول ضرور فروخت ہو جائے گا۔ آخر ناول مکمل کرنے کے بعد اس نے اسے ایک ناشر کے پاس بذریعہ ڈاک ارسال کر دیا اور وہ ہفتوں تک بڑی بے صبری سے جواب کا منتظر رہا۔ مزید انتظار کی تاب نہ لاتے ہوئے وہ خود ہی اس ناشر کے پاس پہنچ گیا۔

ناشر نے اس کا مسودہ اس کے حوالے کر دیا اور کہا "مجھے افسوس ہے کہ میں یہ کتاب شائع نہیں کر سکتا۔ دراصل اس میں کچھ ہے ہی نہیں۔ یہ کتاب دیکھنے کے بعد میں وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ آپ کبھی اچھے مصنف نہیں بن سکتے۔" زین گرے پر احساس کمتری نے ایک دم بری طرح غلبہ پا لیا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا اور اس کا سر چکرانے لگا۔ یہ اس کا پانچواں ناول تھا جسے رد کر دیا گیا تھا۔ اگر کوئی اچانک اس کے سر پر اس وقت بھاری پتھر بھی مار دیتا تو اسے بالکل احساس نہ ہوتا۔ وہ خستہ حالت میں دوکان سے باہر نکلا اور گرتا پڑتا سامنے ایک لیمپ کا سہارا لے کر کھڑا ہو گیا۔ ناول کا مسودہ اس کے ہاتھ میں تھا، پوسٹ لیمپ کا سہارا لئے وہیں کھڑا وہ بے اختیار رونے لگا۔ اس کے ضبط کی طنابیں اس بری طرح ٹوٹیں کہ وہ کتنی دیر وہاں کھڑا منہ چھپائے روتا رہا۔

وہ انتہائی مایوسی کے عالم میں گھر واپس چلا آیا۔ اس کی بیوی کے پاس کچھ پونجی تھی۔ اب تک، وہ اسی کے سہارے دن گزار رہے تھے۔ اب ان کے ہاں ایک بچہ بھی پیدا ہو چکا تھا۔ میاں بیوی سخت تذبذب کے عالم میں تھے۔ آخر اس کی بیوی نے اس کی ہمت بندھائی اور اسے ایک اور ناول لکھنے کی ترغیب دی۔ وہ سردیوں کا وقت تھا۔ سٹوو اس قدر بڑا نہ تھا کہ سارے کمرے کو گرم رکھ سکتا۔ لکھتے لکھتے اس کی انگلیاں یخ بستہ ہو جاتیں۔ وہ سٹوو کو کھولتا اور اس میں ہاتھ ڈال کر انگلیاں گرم کر کے دوبارہ لکھنا شروع کر دیتا۔

وہ سارا موسم زمستان اور گرمیوں کا ایک حصہ وہ اس ناول پر محنت کرتا رہا۔ جب وہ ناول مکمل ہو گیا تو وہ اسے ہارپر پبلشنگ ہاؤس والوں کے پاس لے گیا۔ جنہوں نے اس کے پہلے ناولوں کی طرح اسے بھی شائع کرنے سے انکار کر دیا۔ زین گرے نے دکھ کے عالم میں ادارے کے ادبی مشیر سے درخواست کی کہ وہ مسودے کو گھر لے جا کر غور سے مطالعہ کرے دو دن بعد جب زین گرے اس ادبی مشیر کو ملنے آیا تو وہ زین گرے کو دیکھتے ہی مسکرا دیا اور

Marfat.com

کہنے لگا۔ "میری بیوی اسے ساری رات پڑھتی رہی ہے اس کے خیال میں یہ ایک عظیم ناول ہے۔ ہم نے اسے شائع کرنے کا ارادہ کر لیا ہے۔"

اس ناول کا نام "صحرا کا ورثہ" تھا۔ جب ناول چھپ کر بازار میں آیا تو لوگوں میں بے حد مقبول ہوا۔

آخر کار ایک مدت تک مفلسی اور ناکامیوں کا مقابلہ کرنے کے بعد زین گرے شہرت اور دولت کے راستے پر چل نکلا۔ آج اس کا شمار امریکہ کے مشہور ترین اور سب سے زیادہ معاوضہ لینے والے ادیبوں میں ہوتا ہے۔ اب تک اس کی ساٹھ کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ ان کتابوں کی آج تک دو کروڑ جلدیں فروخت ہو چکی ہیں۔

○

Marfat.com

لاؤسا مے الکاٹ

محلے کے بزرگوں کو یقین تھا کہ وہ آوارہ نکلے گی۔

حضرت مسیح کی پیدائش سے پانچ سو برس پہلے یونانی ڈرامہ نویس اسکیلس نے اپنے غیر فانی المیہ ڈرامے ایتھنز میں پیش کیے تھے۔ لیکن اسکیلس کے زمانے سے لے کر "ایبی آئرش روز" نامی ڈرامے کی عظیم کامیابی تک دوسرا کوئی ڈرامہ یا فلم اپنی دلکشی کے لحاظ سے "ننھی بی بیاں" نامی فلم کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔

تین ہفتوں تک نیویارک میں اس فلم پر شائقین کا اس قدر ہجوم رہا کہ دیکھنے اور سننے میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اس فلم کے سترہویں دن سیٹوں کا مطالبہ اس قدر زیادہ تھا کہ لوگوں کی قطاریں میل میل تک چلی گئی تھیں۔ دوکاندار اور راہی حیرت سے انگشت بدنداں تھے۔ اس قسم کا نظارہ نیویارک کی تاریخ میں پہلے کبھی دیکھنے میں نہ آیا تھا۔

یہ جذباتی شاہکار کس طرح لکھا گیا تھا۔ اس کی داستان بذات خود ایک حیران کن کہانی ہے۔

اس کہانی کی مصنفہ کا نام لاؤسا ایم الکاٹ ہے۔ وہ جوانی کے دنوں میں ایک ٹام بوائے تھی اور سارا دن یونہی سیٹیاں بجاتی رہتی تھی۔ بڑے ہو کر بھی اسے لڑکیوں سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ وہ لڑکیوں اور عورتوں کے متعلق کہانیاں لکھنے سے گریز کرتی۔ اس کی طبیعت ہی اس طرف نہ آتی تھی۔ لیکن اس کا ناشر مصر تھا کہ وہ لڑکیوں کے متعلق ایک کہانی لکھے۔ بظاہر تو وہ اس کی بات سے متفق ہو گئی، لیکن داخلی طور پر وہ اس سے سخت ناراض تھی۔

یہ حقیقت ہے کہ جب تک کوئی مصنف کوئی چیز لکھنے میں کوئی خوشی خود محسوس نہ کرے، کوئی شخص اسے پڑھنے میں لطف حاصل نہیں کرتا۔

یہ حقیقت ہے کہ الاؤسا الکاٹ جب "ننھی بی بیاں" لکھ رہی تھی تو یہ کہانی اس کے لئے عذاب جان سے کم نہ تھی۔ وہ اس سے بیزار ہو چکی تھی۔ وہ اسے جلد از جلد ختم کرنا چاہتی تھی۔ لیکن یہ کہانی ایک آسیب کی طرح اس کا پیچھا نہ چھوڑتی تھی۔ یہ کہانی لکھنے کے

دوران میں وہ غصے میں آ کر قلم پھینک دیتی۔ اپنے کتے کو سیٹی بجا کر بلاتی اور بھاگتی ہوئی جنگل میں نکل جاتی۔ ایک دن وہ اس کتاب کا مسودہ بے زاری کے عالم میں پھینک کر شہر چلی گئی۔

یہ کتاب ختم کرنے کے بعد اس کا خیال تھا کہ اس نے ایک ناکام ترین کہانی لکھی ہے۔ لیکن جب یہ کتاب شائع ہوئی تو ہاتھوں ہاتھ فروخت ہونے لگی۔ گزشتہ اسی برس سے اس کتاب کی بکری سب سے زیادہ ہے۔ پانچ کروڑ سے زیادہ لوگ "ننھی بی بیاں" پڑھ چکے ہیں۔ لائبریریوں کی ایک حالیہ کانفرنس میں "ننھی بی بیاں" کو دنیا کی مقبول ترین لڑکیوں کی کتاب ٹھہرایا گیا ہے۔

جب لاؤسا نوجوان تھی تو لوگ اس کی حرکتوں کے سبب ایک حد تک اسے پاگل خیال کرتے تھے۔ وہ سارا دن سیٹیاں بجاتی رہتی۔ اچھی لڑکیاں ہرگز سیٹیاں نہیں بجاتیں۔ وہ لڑکوں کے ساتھ دوڑیں لگاتی اور ایسا کرتے وقت اپنا سکرٹ گھٹنوں سے اونچا کر لیتی۔ اچھی لڑکیاں ایسا نہیں کرتیں۔ وہ بعض اوقات سیب کے درخت پر چڑھ کر سارا سارا دن کتابیں پڑھتی رہتی۔ اس کے مکان کے گرد و پیش رہنے والے بزرگوں کا خیال تھا کہ اس لڑکی کا انجام اچھا نہیں۔ یہ ضرور اپنے خاندان پر کوئی مصیبت نازل کرے گی۔

لاؤسا الکاٹ اپنی بیمار ماں اور چھوٹی بہنوں کا پیٹ پالنے کے لئے کہانیاں لکھنے پر مجبور تھی۔ اس کا والد ایک تارک الدنیا اور خیال پرست انسان تھا۔ وہ کبھی کبھی لوگوں کو جمع کر کے ایک آدھ تقریر جھاڑ دیتا اور اس کے عوض اسے ایک آدھ پونڈ مل جاتا، حالانکہ لوگ اس کی تقریر سننے کے خواہشمند نہ ہوتے تھے۔ وہ زیادہ تر گھر میں بیٹھا کہنیوں پر خارش کرتا اور سادہ زندگی کے گن گاتا رہتا۔ ادھر اس کے کنبے کو یہ بھی معلوم نہ ہوتا تھا کہ دوسرے وقت کا کھانا کہاں سے آئے گا؟

وہ بڑا نیک اور سخی آدمی تھا۔ ایک مرتبہ سردیوں میں اس نے گھر کا ایندھن ایک ضرورت مند کنبے کو دے دیا۔ جب اس کی بیوی اور بیٹیوں نے شکایت کی کہ ان کا اپنا گھر اس قدر سرد ہے اور انہیں خود لکڑیوں کی ضرورت ہے۔ تو اس نے جواب دیا، "گھبرانے کی ضرورت نہیں خدا ہمیں خود لکڑیاں بھیجے گا۔ لہٰذا اس شام گھر کے تمام افراد کو خود گرم کرنے کے لئے جلدی جلدی لحافوں میں گھس گئے۔"

اسی رات برف باری کا ایک زبردست طوفان آیا۔ جب الکاٹ کا کنبہ دوسری صبح بیدار

ہوا تو انہوں نے دیکھا کہ رات کو جب طوفان آیا تو اس وقت ان کے مکان کے سامنے سے کچھ کسان لکڑیاں اٹھائے گزر رہے تھے۔ طوفان سے بچنے کے لئے وہ اپنا بوجھ وہیں چھوڑ کر بھاگ گئے۔ لاؤسا کے باپ کا یقین تھا کہ یہ لکڑیاں خدا نے ان کے لئے بھیجی تھی۔ لہٰذا وہ انہیں اٹھا کر اندر لے آیا۔

جب لاؤسا الکاٹ نے پہلے پہل اپنی کہانیاں ناشروں کو بھیجنی شروع کیں تو وہ انہیں واپسی ڈاک واپس کر دیتے۔ ایک مرتبہ ایک ایڈیٹر نے اسے لکھ بھیجا کہ وہ کبھی ہردلعزیز مصنفہ نہیں بنے گی۔ لہٰذا اس نے انہیں ہدایت کی کہ وہ لکھنے لکھانے کا کام چھوڑ کر اگر سینے پرونے کا کام شروع کر دے تو اس کے لئے زیادہ بہتر ہو گا۔

وہ مکان جہاں لاؤسا الکاٹ رہا کرتی تھی۔ آج کل اسے دیکھنے کے لئے ہر سال تقریباً پچیس ہزار لوگ آتے ہیں۔ بعض کے نزدیک وہ ایک مقدس جگہ ہے۔ ایک مرتبہ میں بھی وہاں گیا۔ وہاں میں نے ایک خاتون کو دیکھا جو مکان کے کمروں میں گھومتے وقت زار و قطار رو رہی تھی۔

ایک مرتبہ ایک نوجوان نے لاؤسا الکاٹ سے کہا کہ وہ ناول نویس بننا چاہتا ہے۔ لہٰذا وہ اسے کچھ مشورہ دے۔ لاؤسا الکاٹ نے جواب دیا۔ ”بہتر ہو گا کہ اگر کوئی دوسرا کام شروع کر دو، خواہ وہ قبریں کھودنے کا کام ہی کیوں نہ ہو۔“

○

Marfat.com

مارک ٹوین

اس نے اپنا قرض اتارنے کے لئے عمر عزیز کے چھ برس ملک ملک میں لیکچر دینے میں ضائع کر دیئے۔

کیا آپ مقروض ہیں؟ کیا آپ نے کاروبار میں دھوکہ کھا کر روپیہ ضائع کیا ہے؟ اگر ایسا ہے تو آپ کے لئے یہ حقیقت باعث تسکین ہونی چاہئے کہ دنیا کے بعض ذہین ترین آدمیوں نے جب کبھی کسی کاروبار میں روپیہ لگایا ہمیشہ گھاٹے میں رہے۔ مثال کے طور پر مارک ٹوین کو لیں، اس کے اندر ساری دنیا کو ہنسانے یا رلانے کی صلاحیت موجود تھی۔ اس کے باوجود کسی کاروبار میں روپیہ لگانے کے سلسلے میں اس کی قابلیت مجھ یا آپ سے زیادہ نہ تھی۔

اس نے مختلف قسم کے کاروبار میں تقریباً بیس ہزار پونڈ لگائے۔ لیکن اس کا یہ سارا سرمایہ تباہ ہو گیا۔ آخر ایک شخص نے اسے ٹیلیفون کے کاروبار میں سرمایہ لگانے کی پیش کش کی۔ لیکن مختلف کاروبار کی تلخ کامیوں نے مارک ٹوین کے حوصلے پست کر دیئے تھے۔ اگر وہ اس کاروبار میں روپیہ لگا دیتا تو لاکھوں کا مالک ہوتا۔ اس نے وہی روپیہ اپنے ایک رشتہ دار کے ہمراہ ایک دوسرے کاروبار میں لگا دیا۔ آپ جانتے ہیں اس کا کیا انجام ہوا؟ مارک ٹوین کا دیوالیہ پٹ گیا۔ اس کے گھر کی ایک ایک چیز بک گئی، سوائے ایک سٹوو کے۔

اس کے دوست ایچ ایچ روجر نے اس کا قرضہ ادا کرنا چاہا۔ لیکن مارک ٹوین نے انکار کر دیا۔ اس کے مداحوں نے اس کے نام چیک بھیجنے شروع کر دیئے۔ لیکن مارک ٹوین نے ان سب کے چیک واپس کر دیئے اور مصر رہا کہ وہ اپنا قرضہ خود ادا کرے گا۔ اسے لیکچر دینے سے نفرت تھی۔ اس کے باوجود اس نے اپنا قرضہ ادا کرنے کی خاطر دنیا بھر کا چکر لگایا اور مختلف ملکوں میں لیکچر دیتا رہا۔ اس طرح اس نے اپنی زندگی کے چھ قیمتی سال صرف کر کے اپنا سارا قرضہ اتار دیا۔

جنرل گرانٹ اس قدر ذہین تھا کہ اس نے "لی" کو فتح کیا۔ سول وار جیتی اور امریکہ کا

Marfat.com

صدر بن گیا۔ لیکن وہ اپنی روزمرہ کی زندگی میں اس قدر چوکس و چوبند نہ تھا۔ زندگی کے آخری سالوں میں دو گھاگ جعلسازوں نے اس پر ڈورے ڈال لئے اور اسے تجارت میں سرمایہ لگانے کی ترغیب دی۔ ان لوگوں نے گرانٹ کی نیک نامی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے لوگوں سے بڑے بڑے دھوکے کئے۔ اپنے فریبوں کی بدولت وہ تین لاکھ بیس ہزار پونڈ جمع کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ پھر اچانک طور پر کاروبار میں سخت گھاٹا پڑا۔ اور "لی" نے اپنا قرضہ اتارنے کے لئے اپنا فارم نیویارک اور ویلفیا میں اپنے مکانوں کے علاوہ وہ تلواریں اور ٹرافیاں بھی فروخت کر دیں جو اسے بطور تحفہ پیش کی گئی تھیں۔

اس کے پاس ایک ڈالر بھی نہ رہا تھا اور وہ سرطان سے مر رہا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اگر وہ مرگیا تو اس کی بیوی پائی پائی کو محتاج ہو جائے گی۔ لہٰذا اس نے اپنی بیوی کے لئے کچھ اثاثہ چھوڑنے کی خاطر اپنے حالات زندگی لکھنے کا فیصلہ کر لیا۔ وہ اس وقت تک لکھتا رہا جب تک کہ سرطان اس کے گلے میں نہ اتر آیا' اور اس کی آواز بالکل بند نہ ہو گئی۔ پھر اس نے نہایت تکلیف کے عالم میں کتاب ختم کی۔ اس نے کتاب کا آخری باب اپنی موت سے تین دن پہلے مکمل کر لیا۔ مارک ٹوین نے وہ کتاب شائع کی اور مسز گرانٹ کو ایک لاکھ پونڈ بطور رائلٹی دیا۔

عظیم ڈینئل ویبسٹر پر ایک مرتبہ اس لئے مقدمہ چلایا گیا کہ وہ اپنے نصاب کا بل ادا نہ کر سکا تھا۔

عظیم ناول نگار آلیور گولڈ سمتھ کو محض اس لئے ایک دفعہ قید خانے کی ہوا کھانی پڑی کہ اس نے اپنے کمرے کا کرایہ ادا نہیں کیا تھا۔

غیر فانی فرانسیسی ناول نگار بالزک اس قدر مقروض رہتا تھا کہ جب کوئی شخص اس کے دروازے کی گھنٹی بجاتا تو وہ جواب دینے سے ڈرا کرتا تھا۔

چارلس دوم شہنشاہ انگلستان اس قدر مقروض تھا کہ اس نے ولیم پن کو اپنی بن سلوینیا والی جائداد فقط پندرہ ہزار پونڈ میں دے دی۔

ابراہام لنکن کی بیوی ایک دفعہ اس قدر مقروض ہو گئی کہ اسے اپنے کپڑے اور زیورات تک فروخت کرنے پڑے۔ نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ اس نے اپنے مرحوم خاوند کی ایک ایسی قمیض جس پر اس نے اپنے دستخط کر رکھے تھے فروخت کر دی۔

امریکہ کا عظیم ترین آرٹسٹ وسلر اکثر مقروض رہتا اور اپنی تصویریں گروی رکھ کر اپنا

Marfat.com

قرض اتارتا۔ جب کبھی وسلر کا کوئی قرض خواہ اس کے گھر آ کر وسلر کی کرسی یا چارپائی اٹھا لے جاتا تو وسلر زمین پر ان کی تصویر کھینچ لیتا۔

بیوبرڈ مل آج سے سو برس پہلے برطانیہ کی سوشل زندگی کا بادشاہ خیال کیا جاتا تھا۔ اس کے پاس اتنے سوٹ تھے کہ برطانیہ کے شہنشاہ کے پاس بھی کیا ہوں گے۔ اس کے باوجود اس کا بال بال قرضے میں جکڑا ہوا تھا۔ جب کبھی اس کا کوئی قرض خواہ قرض کی واپسی کا مطالبہ کرنے کے لئے آتا تو بیوبرڈ بھاگ کر اپنے کپڑوں والی الماری میں گھس جاتا۔ آخرکار اس کے قرض خواہوں نے اس پر مقدمہ چلا کر اسے قید کرا دیا۔

یہ آدمی جو ایک زمانے میں فیشن ایبل دنیا کی آنکھوں کا تارا تھا۔ یہ آدمی جس کا نام آج بھی لباس کی عمدگی کے سلسلے میں سرفہرست آتا ہے۔ انجام کار اس قدر غریب ہو گیا کہ گندے اور پھٹے ہوئے کپڑے پہننے لگا۔ اسے دیکھ کر وہ لوگ قہقہے لگاتے تھے جنہیں وہ کبھی نفرت کی نگاہ سے دیکھا کرتا تھا۔ اس کا دماغ چل گیا۔ وہ ایک گندے مکان میں رہنے لگا اور آخرکار بڑی کسمپرسی کی حالت میں مر گیا۔

جوانی کے دنوں میں ابراہام لنکن نے ایک شرابی کے ساتھ کاروبار شروع کیا۔ کاروبار ناکام ہو گیا اور اس کا شرابی ساتھی بھی مر گیا۔ قرضہ ادا کرنے کے لئے فقط لنکن رہ گیا۔ قانونی طور پر مقدمے میں کئی ایک خامیاں تھیں اور لنکن صاف بچ سکتا تھا۔ لیکن ابراہام لنکن کا یہ شعار نہ تھا۔ اس نے گیارہ برس رات دن محنت کر کے روپیہ جمع کیا اور اپنا قرضہ مع سود کے ادا کیا۔

سقراط کا شمار دنیا کے عقل مند ترین لوگوں میں ہوتا ہے۔ لیکن وہ اس قدر غریب تھا کہ جب کبھی اس کا دل گوشت کھانے کو چاہتا تو وہ قصائی سے ادھار لیا کرتا۔ جب سقراط بستر مرگ پر پڑا تھا تو اسے یاد آ گیا کہ اس نے قصائی کے چند روپے دینے ہیں، سقراط کی زبان سے جو آخری الفاظ نکلے وہ یہ تھے کہ اس نے اپنے ایک دوست سے قصاب کا قرض چکانے کے لئے کہا تھا۔

○

Marfat.com

میری رابرٹ رینی ہارٹ

اس نے اپنے شوہر کا قرض اتارنے کی غرض سے کہانیاں لکھنی شروع کیں اور بیسویں صدی کی نامور ناول نگار بن گئی۔

لاکھوں لوگوں نے جن میں ممکن ہے آپ بھی شامل ہوں' میری رینی ہارٹ کی کہانیاں پڑھی ہوں گی۔ اس نے چوالیس کتابیں اور رسالوں کے ہزاروں صفحے لکھے ہیں۔ اس کے باوجود جب اس نے لکھنا شروع کیا تو وہ تین بچوں کی ماں بن چکی تھی۔ اس نے شہرت حاصل کرنے کی خاطر لکھنا شروع نہ کیا تھا۔ بلکہ فقط اپنا قرضہ اتارنے کے لئے۔

اس کی پہلی کہانی چھ پونڈ میں فروخت ہوئی' لیکن آج کل رسالوں کے ایڈیٹر اسے مضامین کا سلسلہ شروع کرنے کے عوض سات ہزار پونڈ دینے کو تیار ہیں۔ اس کا شمار امریکہ کے سب سے زیادہ معاوضہ لینے والے ادیبوں میں ہوتا ہے۔ اس کے باوجود اس کا کہنا ہے کہ لکھنا واہیات کام ہے۔

کسی زمانے میں وہ اپنی کہانیوں کے بڑے بڑے بنڈل فقط پندرہ پونڈ فی بنڈل کے حساب سے فلم بنانے والوں کے پاس فروخت کیا کرتی تھی۔ لیکن بعد میں جب اسے ہالی وڈ کے ایک ڈائریکٹر نے دس ہزار پونڈ سالانہ کے حساب سے ہالی وڈ آکر فلموں کے لئے کہانیاں لکھنے کے لئے کہا تو اس نے انکار کر دیا۔

ایک زمانے میں میری رینی ہارٹ کو مسلسل کئی آپریشنوں کی تکلیف میں سے گزرنا پڑا۔ اس کے باوجود اس نے لکھنا بند نہ کیا۔ وہ ہسپتال میں چوری چھپے لکھتی رہتی۔ وہ اکثر کہا کرتی کہ اگر میں اتنا عرصہ بیمار رہ کر بستر پر لیٹے رہنے پر مجبور نہ ہوتی تو میں کبھی اتنی کتابیں نہ لکھ سکتی۔

ابتدا میں اس نے نظمیں لکھنی شروع کی تھیں۔ لیکن اس کی ایک نظم بھی فروخت نہ ہوئی۔ ایک دفعہ اس نے بچوں کے لئے نظموں کی ایک کتاب لکھی اور کسی ناشر کی تلاش

Marfat.com

میں وہ لٹس برگ سے نیویارک پہنچ گئی۔ وہ کئی دن تک نیویارک کے بازاروں میں ایک پبلشر کی دوکان سے دوسرے پبلشر کی دوکان تک گھومتی رہی۔ اس کے جوتے ٹوٹ گئے۔ لیکن اس کی یہ ساری بھاگ دوڑ بے سود ثابت ہوئی۔ کوئی پبلشر اس کا وہ مجموعہ شائع کرنے پر آمادہ نہ ہوا۔ اس حادثے نے اسے بے حد شکستہ دل کر دیا اور اس نے کہانیاں وغیرہ لکھنے کا خیال یکسر ذہن سے نکال دیا۔

پھر اچانک بالکل غیر متوقع طور پر شکستہ حالی نے انہیں آ لیا۔ انہوں نے ایک کمپنی کے کچھ حصے خرید رکھے تھے۔ وہ کمپنی بری طرح ناکام ہو گئی اور ان لوگوں پر چوبیس پونڈ قرضہ چڑھ گیا۔ صورت حال بے حد مایوس کن دکھائی دیتی تھی۔ اس کا خاوند ایک فزیشن تھا۔ وہ کسی نہ کسی طرح اس کی مدد کرنا چاہتی تھی، لیکن کس طرح؟ اس نے لکھنے کے متعلق سوچا۔ لیکن وہ تو صبح سے شام تک گھر کے کام کاج میں مصروف رہتی تھی۔ رات کو بالکل تھک جاتی تھی۔ اس پر بھی اسے ہر دو گھنٹوں کے بعد اٹھ کر اپنے چھوٹے بچے کے لئے دودھ گرم کرنا ہوتا تھا۔

پھر ایک شام یوں ہوا کہ ڈاکٹر رینی ہارٹ ایک مریض کو دیکھ کر گھر آیا اور اس نے اپنی بیوی کو اس مرض کے متعلق ایک عجیب کہانی سنائی۔ وہ مریض اپنا حافظہ کھو چکا تھا اور اب پھر خود کو نوجوان سمجھنے لگا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ اس کی بیوی کوئی اجنبی عورت ہے اور جب اس سے کہا جاتا کہ گھر میں ادھر ادھر گھومنے پھرنے والے بچے اس کے بچے ہیں تو وہ قہقہے لگانے لگتا۔

اس کہانی نے مسز رینی ہارٹ کو بڑا متاثر کیا۔ اسی شام جب بچے سو گئے تو اس نے اس کہانی کو لکھنا شروع کر دیا۔ جب وہ مکمل ہو گئی تو اسے ایک رسالے کو بھیج دیا۔ تھوڑے دنوں کے بعد اسے یہ جان کر حیرت ہوئی کہ اس کی کہانی اشاعت کے لئے قبول کر لی گئی تھی۔ اور اس کہانی کا معاوضہ چھ پونڈ بذریعہ چیک اسے ارسال کر دیا گیا تھا۔ ایڈیٹر نے مزید کہانیاں لکھنے کی درخواست بھی کی تھی۔

پھر اس نے فالتو وقت میں کہانیاں لکھنی شروع کر دیں۔ اگر آپ یہ سوچتے ہیں کہ اس کے پاس بہت سا فالتو وقت ہو گا تو اس کے گھریلو پروگرام کے متعلق بھی سنئے:

اس کا ایک تین منزلہ مکان تھا۔ وہ اس سارے مکان کو بے حد صاف رکھتی تھی۔ اس

کے علاوہ اسے اپنے تین بچوں اور شوہر کا ہر کام کرنا پڑتا تھا۔ تین وقت کا کھانا وہ خود تیار کرتی۔ چٹنیاں اور مربے بھی گھر پر ہی بناتی۔ پھٹے پرانے کپڑوں کی مرمت کرتی اور گھر کے تمام افراد کے کپڑے بھی خود ہی دھوتی۔ اپنے بچوں کے کپڑے بھی وہ خود ہی سیتی۔ اس کی ایک اپاہج ماں بھی تھی جس کی دیکھ بھال تمام تر اسی کے ذمہ تھی۔ اپنے شوہر کے مریضوں کے بل بھی وہی تیار کرتی اور دوکان کا سارا حساب کتاب بھی خود ہی کرتی۔ اسے لکھنے کے لئے فقط رات کو وقت ملتا تھا۔

اس کے باوجود اس نے ایک سال کے اندر پینتالیس کہانیاں لکھیں اور اس سے تین سو ساٹھ پونڈ کمائے۔ میں تو یقیناً اسے ایک معرکہ کہوں گا۔ سینٹر پین روز کی وفات کے تھوڑے دنوں بعد ہی ریبی ہارٹ کا کنبہ واشنگٹن اس کے مکان میں منتقل ہو گیا۔ مسز ریبی ہارٹ نے اپنی رہائش کے لئے وہ کمرہ منتخب کیا جس میں سینٹر پین روز فوت ہوا تھا۔ اس کے فوراً بعد اس کے ساتھ عجیب و غریب باتیں پیش آنے لگیں۔ اس کی خواب گاہ کی گھنٹی بار بار خود بخود بجنے لگتی۔ حالانکہ اس کے قریب کوئی بھی نہ ہوتا تھا۔ دروازے خود بخود کھلتے اور بند ہونے لگتے پرندے اور چمگادڑیں بڑے پراسرار انداز میں کمرے کے اندر آ جاتیں۔ حالانکہ دروازے، کھڑکیاں اور روشندان بند ہوتے تھے۔ اس کے پلنگ کے کناروں پر اچانک کوئی انگلیوں سے ساز بجانے لگتا اور نصف شب کی خاموشی میں کمرے کے دروازے خود بخود کھل جاتے۔ رات کے دو بجے ٹائپ رائٹر پر خود بخود غیبی انگلیاں چلنے لگتیں۔ ایک کتا کمرے میں ادھر ادھر گھومنے لگتا اور اچانک خوفزدہ آنکھوں سے اس کی طرف دیکھنے لگتا۔ میز اور کرسیاں کمرے میں خود بخود چلنے لگتیں اور رات کو کمرے کے گوشوں میں سے عجیب آسیب زدہ آوازیں سنائی دینے لگتیں۔

مسز ریبی ہارٹ یہ سب دیکھ کر بڑی چونکی ہوئی اسے سوئے سوئے دورے پڑنے لگے۔ ان کا ایک دوست جو روحانیت کا ماہر تھا۔ اس نے مسز ریبی ہارٹ کو مشورہ دیا کہ جب وہ کمرے میں آوازیں سنے تو زور زور سے بولنے کی کوشش کرے۔ وہ ان سے پوچھے کہ وہ یہاں کیا لینے آئے ہیں۔ اور وہ ان کے لئے کیا کر سکتی ہے۔

دوسرے دن اس کے کمرے کی کھڑکی خود بخود بند ہو گئی۔ مسز ریبی ہارٹ اپنے بستر سے نکلی اور وہ دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر لرزتی ہوئی آواز میں روح سے پوچھنے لگی کہ وہ یہاں

Marfat.com

کیا لینے آئی ہے۔ اتنے میں اچانک نیچے ہال کمرے والی گھنٹی زور زور سے بجنے لگی۔ وہ بے حد ڈر گئی۔ پھر اچانک اسے احساس ہوا کہ وہ دیوار کے ساتھ لگے ہوئے گھنٹی کے بٹن پر جھکی ہوئی ہے۔

مسز رینی ہارٹ بھوتوں وغیرہ پر بالکل یقین نہیں رکھتی۔ وہ یہ بات ماننے کے لئے ہرگز تیار نہیں کہ سینٹر پین روز کی روح مکان میں گھومتی رہتی ہے۔ اپنے الفاظ میں وہ اس حادثے کو یوں بیان کرتی ہے۔

بعض اوقات یوں بھی ہوتا ہے کہ غیبی دنیا سے کوئی ننھی منی روح اتر کر ہمارے درمیان کھیلنے لگتی ہے۔

○

Marfat.com

بڑے لوگ

Marfat.com

حضرت مسیح

انگلینڈ میں کئی برس یہ قانون نافذ رہا کہ 25- دسمبر کو کرسمس منانے والوں کو سخت سزائیں دی جائیں۔

تین سو برس پہلے جب نیو انگلینڈ برطانیہ کی ایک دور افتادہ نو آبادی ہو تا تھا تو ریاست میساچوسٹس کے ایک گاؤں کی ایک عورت اسی گاؤں کی ایک دوسری عورت کے پاس گئی، جو کرسمس منا رہی تھی۔ کرسمس منانے والی عورت جرمن تھی اور اس نے سفیدے کا ایک چھوٹا سا درخت جسے وہ کھیتوں میں سے کاٹ کر لائی تھی اپنے مکان کے صحن میں گاڑ کر اسے اچھی طرح سجا رکھا تھا اور وہ اور اس کے بچے اس درخت کے گرد ناچ رہے تھے اور ساتھ ہی ساتھ حضرت مسیح کی پیدائش کے گیت بھی گا رہے تھے۔ وہ پورے جوش و خروش سے کرسمس کا تہوار منا رہے تھے۔ آخر اس میں کیا برائی تھی۔

لیکن اس زمانے میں امریکہ کے پیورٹین حاکموں کو جب یہ خبر ملی تو انہوں نے اس جرمن عورت کو اس گاؤں کے جرگہ کے سامنے پیش ہونے کا حکم دیا اور کرسمس منانے کے جرم میں اسے گاؤں بدر اور مذہب سے بے دخل کر دیا۔

آخر اس عورت سے ایسی کون سی غلطی سرزد ہو گئی تھی۔ وہ کرسمس منانے کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ اپنی حکمرانی کے دور میں انہوں نے کرسمس کی چھٹی بھی بند کر دی اور اسے خدا کی ہتک گردانتے تھے۔ انہوں نے ایک قانون بھی پاس کر دیا۔ اس قانون کی رو سے اگر کوئی شخص کرسمس مناتا ہوا پکڑا جاتا تو جرمانے کے علاوہ عوام کے سامنے اس کی سخت بے عزتی کی جاتی۔

خشک مزاج کرامویل کے دور حکومت میں بھی یہی کچھ ہوتا رہا۔ ان دنوں سارا انگلینڈ ایک سوگوار بیوہ کی مانند دکھائی دیتا۔ اس نے بھی کرسمس منانے پر کڑی پابندی عائد کر رکھی تھی۔

لیکن کرسمس منانے کے خلاف اس قدر کڑا اقدام کیوں کیا گیا تھا۔ اس کی ایک وجہ

Marfat.com

تھی' وہ یہ کہ پیورٹین کا یہ عقیدہ تھا کہ حضرت مسیح کرسمس کے دن پیدا نہیں ہوئے تھے۔

حضرت مسیح کی وفات کے دو سو برس بعد مؤرخوں نے ان کا یوم ولادت معلوم کرنے کے لئے تگ و دو شروع کر دی۔ بعض کا دعویٰ تھا کہ وہ 25- مئی کو پیدا ہوئے تھے۔ بعض کا خیال تھا کہ حضرت مسیح 19- اپریل کو دنیا میں آئے تھے۔ بعد کے مؤرخوں نے یہ دونوں تاریخیں جھوٹی ثابت کر کے دعویٰ کیا کہ حضرت مسیح 17- نومبر کو پیدا ہوئے تھے۔ جدید مؤرخین کا کہنا ہے کہ وہ حضرت مسیح کی پیدائش کے دن کے بارے میں وثوق سے کچھ نہیں کہہ سکتے۔

بیت الحوم جہاں حضرت مسیح پیدا ہوئے تھے وہاں بھی سال میں تین مختلف اوقات میں کرسمس منایا جاتا ہے۔ ایک گروہ 25- دسمبر کو کرسمس مناتا ہے' دوسرا گروہ 4- جنوری کو اور تیسرا 18- جنوری کو۔ ابے سینا میں مارچ کے مہینے کے سوا سارا سال ہر ماہ کرسمس منایا جاتا ہے۔

شاید آپ کے لئے یہ بھی نئی بات ہو کہ حضرت مسیح کی پیدائش سے آٹھ سو برس بعد عیسوی سن شروع ہوا تھا۔

رومن کئی ہزار برس تک 25- دسمبر کو سرطانالیہ نامی ایک تہوار مناتے رہے تھے۔ سرطان ان کا زراعت کا دیوتا تھا۔ ہر سال فصلوں کی کٹائی کے بعد وہ سرطان کے احترام میں ایک تہوار مناتے اور اس دن خوب جشن کرتے' وہ ایک دوسرے کو تحفے دیتے' اپنے گھر خوب سجاتے اور بچوں کو کھلونے خرید کر دیتے۔

جب عیسائیت کو روم کا سرکاری مذہب قرار دیا گیا اور اس وقت کے رومن حکمرانوں نے یہ قانون منظور کیا کہ سرطانالیہ تہوار کے ساتھ ہی حضرت مسیح کا یوم ولادت بھی منایا جائے تو اس طرح دو تہوار ایک تہوار میں مدغم کر دیئے گئے۔

کرسمس کے متعلق بہت سے رنگین اور عجیب و غریب توہمات سننے میں آتے ہیں۔ بڑھی بوڑھیوں کی زبان سے اکثر سنا گیا ہے کہ جب کرسمس کی نصف شب ہوتی ہے تو شہد کی مکھیاں بائبل کی سو تمثیلیں گنگناتی ہیں۔ اور بھیڑیں بیت الحوم کا لفظ کہتی ہیں۔

میری ایک خاتون سیکرٹری لاؤسیانہ کی رہنے والی تھی۔ اس نے مجھے بتایا کہ وہاں حبشیوں نے اسے یہ سکھا رکھا تھا کہ کرسمس کی رات کو گائیں اپنے گھٹنوں کے بل جھک کر ایک دوسری سے باتیں کرتی ہیں۔ ممکن ہے لاؤسیانہ میں ایسا ہوتا ہو۔ لیکن کسی زمانے میں میں

Marfat.com

جنوبی ڈیکوٹا میں خود کاؤ بوائے ہوا کرتا تھا۔ اگر گائیں لاؤسیانہ میں کرسمس کے دن باتیں کر سکتی ہیں تو جنوبی ڈیکوٹا میں اب بھی ایسا ہی ہوتا ہو گا۔ ویسے ایک بات ضرور ہے کہ میں ان کی زبان سمجھنے سے قاصر تھا۔

بوڑھا شانتا کلاز جو کرسمس کی رات کو آپ کے گھر چپکے سے داخل ہوتا ہے۔ قدیم لوگوں کا پہلا دیوتا تھا۔ وہ روم میں بچوں کے لئے ہزاروں برس تک تحفے لاتا رہا۔ جب وہ شمال سے آتا ہے تو گھنٹیوں کی صدائیں سنائی دیتی ہیں دوسرے دیوتاؤں کی طرح اس کا مسکن بھی قطبی ستارے کے قریب ہے۔

کرسمس کے متعلق آج اختلافات کی کون پرواہ کرتا ہے۔ آج مغربی دنیا میں اسے مسرور ترین چھٹی گردانا جاتا ہے۔

○

Marfat.com

لینن

کسی زمانے میں وہ در بدر مارا پھرتا تھا لیکن آج اس کی پوجا ہوتی ہے۔

میں آپ کو ایک ایسے آدمی کے بارے میں کچھ غیر معروف حقائق بتانا چاہتا ہوں جسے مرے ہوئے تقریباً" ستر (70) سال ہی ہوئے ہیں۔ اس کے باوجود سات لاکھ کی آبادی کے ایک شہر کا نام اس کے نام پر رکھا گیا ہے اور دس کروڑ انسان اسے مجازی خدا سمجھتے ہیں۔

اس کا نام لینن تھا۔ اس نے روس میں دنیا کے عظیم ترین معاشی تجربے کا آغاز کیا۔ یہ ممکن نہیں کہ اس تجربے کا اثر مجھ پر، آپ پر، بلکہ ہر شخص پر نہ پڑے۔

لینن پست قد، گنجا اور جھری دار انسان تھا۔ وہ کرسی پر بیٹھا ہوتا تو اس کے پیر زمین تک نہ پہنچتے۔ اسے اپنے لباس اور حلیے کی ذرا پروا نہ تھی۔ اس کی پتلون عموماً ضرورت سے زیادہ لمبی ہوتی۔ اس کی ناک ذرا سی اوپر اٹھی ہوئی تھی، اور ایک آنکھ بھینگی تھی اور یقیناً اس نے عمر میں کبھی ریشمی ہیٹ یا فراک کوٹ نہ پہنا ہو گا۔ اس کی ازدواجی زندگی بہت پرمسرت تھی اور بیوی اس سے اتنا پیار کرتی تھی کہ جب لینن کو جلا وطن کیا گیا تو وہ اس سے جدا ہونے پر تیار نہ ہوئی۔ لینن کے ساتھ اس نے بھی جلا وطنی اختیار کی۔ وہ اپنے شوہر کی دیکھ بھال کرنا اور خیال رکھنا چاہتی تھی۔

جب وہ سائبیریا میں بے خانماں تھا تو اسے فرصت بہت تھی۔ چنانچہ وہ شطرنج کا بڑا ماہر کھلاڑی بن گیا۔ وہ بیک وقت کئی کئی کھلاڑیوں کے ساتھ کھیل سکتا تھا۔ شطرنج نے اس کا دل اتنا موہ لیا تھا کہ وہ دور رہنے والے دوستوں سے ڈاک کے ذریعے بازیاں کھیلتا تھا۔

بچپن میں لینن بہت سنجیدہ اور اداس رہتا تھا۔ وہ دوسرے بچوں کے ساتھ شاذ ہی کھیلتا تھا اور اس نے کبھی کسرتی کھیلوں میں حصہ نہیں لیا۔ جب وہ جوان ہو گیا تو اس نے موسیقی، شاعری یا مذہب میں کوئی دلچسپی ظاہر نہ کی۔ البتہ اس نے قانون پڑھا، اور اسے چار زبانیں آتی تھیں، یعنی روسی، فرانسیسی، جرمن اور انگریزی۔

Marfat.com

روسی حکومت نے اس کے بھائی کو پھانسی دے دی کیونکہ وہ زار روس الیگزینڈر سوم کو ہلاک کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ بعد میں حکومت نے خود لینن کو بھی اس بنا پر جلاوطن کر دیا کہ اس کی آرا انتہا پسند تھیں۔ اسے جلاوطن کر کے برفستانی سائبیریا کے ایک چھوٹے سے قصبے میں بھیج دیا گیا' وہاں لینن کو خود اپنی آنکھ سے روسی دہقانوں کی المناک غربت کا منظر دیکھنے کا موقع ملا' وہ اتنے غریب تھے کہ بس بڑے بڑے مذہبی تہواروں کے موقع پر گوشت کھا سکتے تھے۔ یعنی سال بھر میں انہیں صرف بیس دن گوشت کھانا نصیب ہوتا تھا۔

1891ء کے زبردست قحط میں جب لاکھوں غربت زدہ کسان فاقوں اور ٹائفس اور ہیضے کا شکار ہو کر مر گئے تو لینن کو یقین ہو گیا کہ کوئی انتہا پسند قدم اٹھائے بغیر چارہ نہیں۔ اس کے بعد وہ آتشخو انقلاب پرست بن گیا۔

اگلے پچیس سال وہ ملک ملک مارا مارا پھرا۔ کبھی اسے اس ملک سے نکال دیا جاتا' کبھی اس ملک سے وقتاً" فوقتاً" اس نے جرمنی' آسٹریا' فرانس' پولینڈ' سوئزرلینڈ اور انگلستان میں زندگی بسر کی۔ جب وہ انگلستان میں تھا تو گھنٹوں جا کر کارل مارکس کی قبر کے سرہانے بیٹھا رہتا تھا' مارکس اشتراکیت کا بانی تھا۔

کبھی کبھار وہ گرفتاری سے بچنے کے لئے کسان یا ملاح یا فیکٹری مزدور کا سوانگ بھر لیتا' کبھی نقلی گل مچھے لگا لیتا' کبھی عورت کا بھیس بدل کر پھرتا۔ جب بھی وہ سفر کرتا تو اس کے صندوق میں ایک چور پیندا ضرور ہوتا۔ اس میں وہ خفیہ کاغذات اور خطرناک دستاویزیں رکھا کرتا۔ کبھی وہ اپنی خفیہ دستاویزیں اپنے ترکاری کے باغ میں دبا کر ان کے اوپر پیاز اور کرم کلے بو دیتا۔

اس نے اپنی ایک انقلابی کتاب جیل میں لکھی تھی۔ وہ چاہتا تھا کہ اس کی کتاب کا حکام کو پتہ نہ چلے' اس لئے اس نے اسے روشنائی کے بجائے دودھ سے لکھا تھا۔ جب ایسی تحریر کو گرم پانی میں ڈبویا جاتا تو الفاظ نمودار ہو جاتے۔ اس نے یہ فن اپنے شاگردوں کو بھی سکھا دیا تھا۔ وہ اسے خط لکھتے وقت یہی ترکیب استعمال کرتے۔ جب لینن کے پاس ایسا کوئی خط آتا تو وہ جیل کے پہرے دار سے چائے منگوا لیتا اور آنکھ بچتے ہی خط کو چائے میں ڈبو کر خفیہ تحریر پڑھ لیتا۔

نومبر 1917ء میں لینن روس کا ڈکٹیٹر بن گیا اور اس نے تمام املاک بحق سرکار ضبط کر لی۔ جب کسانوں نے قبضہ کرنا شروع کیا تو بڑے بڑے جاگیردار دہشت زدہ ہو کر ادھر ادھر

Marfat.com

بھاگنے لگے۔ کسانوں نے بڑے بڑے نادر اور نفیس مشجر پردے کاٹ کر جوتے بنا لئے اور جن انمول گلدانوں کو یورپ کے استاد کوزہ گروں نے تیار کیا تھا۔ انہیں اچار کے مرتبان کی طرح استعمال کیا۔

روس میں اس وقت تقریباً قحط پڑا ہوا تھا اور لینن چائے میں اس لئے شکر نہیں ڈالتا تھا کہ دوسرے لوگ بھی شکر سے محروم تھے۔ اگرچہ وہ روس کا سب سے اعلیٰ حکمران تھا لیکن وہ خود کو معمولی سے معمولی سامان تعیش استعمال کرنے کی بھی اجازت نہیں دیتا تھا۔ اس سے سیکرٹریوں کے عملے کے بغیر روس پر حکومت کی اور شاذ و نادر ہی اپنا خط کسی اور سے لکھوایا۔ وہ روز اٹھارہ بیس گھنٹے کام کرتا تھا اور اپنے سارے خط خود ہی لکھتا تھا۔

پانچ سال بعد اسے شریانوں کی سختی کی بیماری لاحق ہو گئی اور اس پر فالج کا اٹیک ہوا۔ فالج کے اثر سے اس کی قوت گویائی جاتی رہی اور اسے کسی بچے کی طرح پھر سے بولنا سیکھنا پڑا۔ اس کا دایاں ہاتھ فالج سے بیکار ہو گیا تھا۔ اس لئے اس نے بائیں ہاتھ سے لکھنا سیکھا۔ دو سال تک وہ بے جگری سے موت کا مقابلہ کرتا اور بار بار یہ کہتا رہا کہ ابھی تو مجھے بہت کام کرنا ہے۔

آج روس میں ہر جگہ ہر مزدور کلب میں، ہر کارخانے میں اور تقریباً ہر گھر میں اس کی تصویر لگی نظر آتی ہے۔ نانبائی اپنے کیکوں پر اس کی شکل بناتے ہیں۔ باغبان اپنے پودے اس طرح بوتے ہیں کہ جب ان میں پھول کھلتے ہیں تو لینن کی تصویر بن جاتی ہے اور قالین بننے والے قالینوں پر اس کی تصویر بناتے ہیں۔ لاکھوں آدمی اسے اس طرح پوجتے ہیں کہ جیسے وہ خدا ہو، اور کسانوں میں تو ابھی سے یہ قصے مشہور ہو چکے ہیں کہ وہ کسی مشکل میں گرفتار مزدور کی مدد کرنے کے لئے قبر سے اٹھ کر آ جایا کرتا ہے۔

اب اس کی مسالے سے محفوظ کی ہوئی لاش ایک شیشے کے صندوق میں بند ہے اور شاید اس لمحے بھی سینکڑوں مئودب زائر سروں سے ٹوپیاں اتارے، اس صندوق کے پاس سے گزر رہے ہوں گے۔ ہر روز کم از کم ایک ہزار آدمی اس کی لاش دیکھنے آتے ہیں اور اس وقت بھی سرخ سپاہی سنگینیں تانے اس آدمی پر پہرہ دے رہے ہوں گے جس نے دنیا کی تاریخ میں ایک نئے دور کا آغاز کیا۔

○

Marfat.com

مہاتما گاندھی

جب وہ پہلی مرتبہ ایک وکیل کی حیثیت سے عدالت میں گیا تو اس کی ٹانگیں لڑکھڑانے لگیں اور بولنے سے پہلے اس کا گلا رندھ گیا۔

نصف صدی پہلے ہندوستان میں ایک چھوٹے قد کا آدمی جس نے دھوتی باندھ رکھی ہوتی۔ اکثر چارپائی پر لیٹ کر مرن برت کا اعلان کر دیتا، ساری دنیا کے اخبار یہ جلی حروف میں شائع کرتے۔ یہ شخص مہاتما گاندھی تھا۔ جو اپنے زمانے کی ایک زبردست شخصیت تھا۔

جہاں تک دولت کا تعلق ہے، گاندھی ایک غریب آدمی تھا۔ اگر وہ اپنی ساری جائداد فروخت کرتا تو اسے تین پونڈ سے زیادہ نہ ملتے۔ اس کے باوجود اس کا اثر دنیا کے امیر ترین لوگوں سے زیادہ تھا۔

جسمانی طور پر وہ بے حد کمزور تھا۔ وہ تشدد کا بالکل حامی نہ تھا۔ اس کے باوجود اس کی تعلیمات اور روحانی اثر سینکڑوں جنگی جہازوں سے زیادہ طاقتور تھے۔

دنیا کا ہر چھٹا آدمی ہندوستان میں رہتا ہے۔ صدیوں سے ہندوستان کے لوگ سوئے ہوئے تھے، پھر اس چھوٹے سے آدمی نے، جس کا وزن ایک سو پونڈ سے بھی کم ہے، اپنے ہم وطنوں کو ان کی بے پناہ قوت کا احساس دلایا اس نے ایسی اصلاحات جاری کیں جن کا اثر تاریخ عالم پر بڑا گہرا ہے۔

گاندھی عجیب و غریب انسان تھا۔ مثلاً اس کے تمام دانت مصنوعی تھے۔ جنہیں وہ اپنی دھوتی کی "ڈب" میں رکھے رکھتا اور فقط کھانے کے وقت انہیں نکالتا۔ کھانے کے بعد وہ دانتوں کو صاف کر کے پھر سے دھوتی کی ڈب میں ڈال لیتا۔

وہ آئرش انداز میں انگریزی بولتا کیونکہ اس کا ایک استاد آئرلینڈ کا رہنے والا تھا۔ وہ فقط دھوتی باندھتا۔ لیکن جب وہ لندن میں رہتا تھا تو سوٹ کے ساتھ سر پر ریشمی فلٹ پہنتا اور ہاتھ میں چھڑی رکھتا تھا۔

اس نے لندن یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کی تھی۔ بعد میں وہ ایڈوکیٹ بن گیا۔ لیکن

Marfat.com

جب پہلی مرتبہ وہ ایک مقدمے کے سلسلے میں عدالت میں آیا اور اپنے موکل کے حق میں بولنے لگا تو اس کی ٹانگیں کانپنے لگی' اور وہ اس قدر خوف زدہ ہو گیا کہ گھبرا کر بیٹھ گیا اور ایک قسم کا احساس شکست اس پر بری طرح حاوی ہو گیا۔

ایک وکیل کی حیثیت سے وہ لندن میں بالکل ناکام رہا۔ کئی برس پہلے جب وہ انگلینڈ میں آیا اور اس کے آئرش استاد نے اسے بائبل میں سے "پہاڑ پر دعا" بار بار نقل کرنے کو کہا تاکہ انگریزی لکھنے میں اسے بخوبی مشق ہو جائے تو گاندھی کئی کئی گھنٹے بیٹھا یہ جملے لکھتا رہتا۔ مبارک ہیں وہ لوگ جو مسکین ہیں۔ کیونکہ زمین کے وارث وہی ہوں گے۔ مبارک ہیں وہ جو امن پسند ہیں۔ کیونکہ وہ خدا کے بیٹے کہلائیں گے۔ ان الفاظ نے گاندھی کی زندگی پر گہرا اثر کیا۔

تھوڑے عرصے بعد اسے بہت سے قرضے جمع کرنے کے لئے جنوبی افریقہ بھیجا گیا۔ وہاں اس نے "پہاڑ پر دعا" کے فلسفے کو آزمانے کی کوشش کی اور یہ کامیاب ثابت ہوا۔ عدالت کے باہر موکل پرامن طریقے سے اس کے گرد جمع ہو گئے اور اس طرح ان کا پیسہ اور وقت بچ گیا۔ جلد ہی گاندھی کی سالانہ آمدنی تین ہزار پونڈ ہو گئی اور یہ مسکین زمین کا وارث بننے لگا۔

لیکن کیا وہ خوش تھا؟ بالکل نہیں کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اس کے لاکھوں ہم وطن نیم حیوانی زندگی گزار رہے۔ اس نے سینکڑوں آدمی بھوکے مرتے دیکھے تھے۔ اسے دنیوی کامیابی بے معنی محسوس ہوئی۔ لہٰذا اس نے اپنا سارا سرمایہ لٹا دیا اور دل سے عہد کر لیا کہ وہ اپنے ملک اور اس کے غریب باسیوں کی حالت سدھارنے کے لئے زندگی وقف کر دے گا۔

گاندھی نے یہ جاننے کے لئے کہ وہ کم از کم کتنی غذا پر گزر اوقات کر سکتا ہے۔ کئی تجربے کئے' بعد میں وہ بکری کے دودھ' پھلوں اور زیتون کے تیل پر گزارہ کرنے لگا۔

گاندھی ڈیوڈ تھوریو نامی ایک امریکی کی تعلیمات سے بہت متاثر تھا۔ تھوریو نے تقریباً ایک سو بیس برس پہلے ہاورڈ یونیورسٹی سے تعلیم حاصل کی تھی۔ اس نے چھ پونڈ خرچ کر کے ریاست میساچوسٹس میں والڈن پانڈ کے کنارے تنہائی میں ایک چھوٹا سا کمرہ تعمیر کیا اور وہاں ایک طارق الدنیا کی طرح زندگی بسر کرنے لگا۔ جب اس سے مختلف قسم کے ٹیکسوں کا مطالبہ کیا گیا تو اس نے دینے سے انکار کر دیا۔ اس جرم کی بنا پر اسے قید میں ڈال دیا گیا۔ پھر اس نے سول نافرمانی پر ایک کتاب لکھی اور بتایا کہ کسی شخص کو بھی ٹیکس نہیں ادا کرنے

Marfat.com

چاہئیں۔ لوگوں نے اس وقت اس کی کتاب پر ذرہ بھر توجہ نہ کی۔ لیکن نوے برس بعد جب گاندھی نے ہندوستان میں اس کی کتاب پڑھی تو اس میں درج فارمولوں کو آزمانے کا فیصلہ کر لیا۔ برطانیہ نے اپنے وعدے کے مطابق ابھی تک ہندوستان کو آزاد نہ کیا تھا۔ لہٰذا برطانیہ کو سزا دینے کے لئے گاندھی نے لوگوں کو ترغیب دی کہ وہ قید خانے کو ٹیکس دینے پر ترجیح دیں۔ اس نے اپنے پیروکاروں سے کہا کہ ہر قسم کے انگریزی مال سے بائیکاٹ کر دیں۔ جب انگریزوں نے نمک پر ٹیکس لگایا تو گاندھی اپنے آدمیوں کے ہمراہ ساحل سمندر پر خود نمک بنانے کے لئے چلا گیا۔

ہندوستان میں کوئی چھ کروڑ اچھوت رہتے ہیں۔ ہندو انہیں حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں اور اپنے آپ پر ان کا سایہ تک نہیں پڑنے دیتے۔ اگر کسی اچھوت کا سایہ کسی ہندو کے کھانے پر پڑ جائے تو وہ کھانا ناقابل استعمال سمجھا جاتا ہے۔ ہندوستان میں ان لوگوں کی حالت نہایت قابل رحم ہے۔ لیکن گاندھی نے ان لوگوں کے حقوق منوانے اور انہیں معاشرے میں اچھا مقام دلانے کے لئے اپنی زندگی وقف کر رکھی تھی۔ اس نے ایک اچھوت بچی کو اپنا رکھا تھا۔ اور اپنی حقیقی بچی کی طرح اس کی پرورش کی تھی۔

لاکھوں ہندو مہاتما گاندھی کو "ولی" سمجھتے تھے۔ اکثر کے نزدیک وہ کسی ہندو دیوتا کا اوتار تھا۔ اس خود غرضی اور لالچ سے بھری ہوئی دنیا میں اس شخص نے دوسروں کو زندہ رہنے کے حقوق دلانے کے لئے اپنی جان قربان کر دی۔

○

Marfat.com

تاجر

ایف۔ ڈبلیو۔ وول ورتھ

وہ کاروبار سیکھنے کی خاطر مفت کام کرنا چاہتا تھا لیکن ہر دوکاندار اسے
کند ذہن سمجھ کر چند دنوں بعد دوکان سے نکال دیتا۔

جب بار براہٹن گرانٹ 21 برس کی ہوئی تو اس نے اپنے گھر میں ایک شاندار دعوت دی۔ اس نے ملک کا بہترین آرکیسٹرا بلا رکھا تھا۔ اس سب ہنگامے کی ایک وجہ یہ تھی' اس دن اسے چالیس لاکھ پونڈ حصے میں ملے تھے۔

لیکن یہ چالیس لاکھ پونڈ کہاں سے آئے تھے۔ اس کا ایک حصہ میری اور آپ کی جیبوں سے۔

بار براہٹن گرانٹ فرینک وول ورتھ کی پوتی ہے۔ جتنی دفعہ آپ چھ پنس وول ورتھ کے کسی سٹور میں سے کوئی چیز خرید کر خرچ کرتے ہیں۔ اس رقم کا ایک حصہ اس نوجوان گھنگریالے بالوں والی عورت کو مل جاتا ہے۔

اس لڑکی کے دادا نے اتنا لاکھوں روپیہ کس طرح کمایا۔ شروع میں اس کا دادا بڑا غریب تھا۔ وہ نیویارک کے قریب واٹر ٹاؤن میں اپنے ایک فارم پر گزر اوقات کرتا تھا۔ وہ اس قدر تنگ دست تھا کہ سال میں چھ مہینے وہ ننگے پاؤں رہا کرتا تھا۔ اس کے پاس اتنے پیسے بھی نہ ہوتے تھے کہ سردیوں میں خود کو بے رحم سردی سے بچانے کے لئے ایک کوٹ ہی خرید سکے۔

اسی غربت اور تنگ دستی نے اسے سوچنے کا طریقہ سکھا دیا جس کی بدولت اس کے اندر دنیا میں کامیاب ہونے کا جذبہ پیدا ہو گیا تھا۔ اسے فارم سے نفرت تھی۔ وہ ایک دوکاندار بننا چاہتا تھا۔ جب وہ اکیس برس کا ہوا تو اس نے اپنی گھوڑی گاڑی میں جوتی اور نیویارک کے کارخانہ تھیج نامی علاقے کی طرف چل پڑا۔ وہاں اس نے کسی دوکان پر ملازمت حاصل کرنی چاہی۔ لیکن کوئی بھی دوکاندار اسے ملازم رکھنے پر تیار نہ ہوا۔ اس کے کپڑے میلے تھے اور بال بڑھے ہوئے۔ اسے یہ بھی معلوم نہ تھا کہ سیلزمین بننے کے لئے صاف ستھرے

Marfat.com

کپڑوں کا ہونا بڑا ضروری ہے۔

آخر ایک ریلوے اسٹیشن پر ایک دوکاندار نے اسے اپنے پاس ملازم رکھ لیا۔ یہ ملازمت اس نے فقط تجربے کی خاطر کی تھی اور اس کے عوض اسے کوئی تنخواہ نہ ملتی تھی۔

بعد میں اسے ایک دوسری دوکان پر ملازمت مل گئی۔ اگرچہ وہ اکیس برس کا ہو چکا تھا۔ لیکن اس کے نئے مالکوں کا خیال تھا کہ اس میں اس قدر عقل نہیں کہ گاہکوں کو بھگتا سکے۔ لہٰذا وہ اسے صبح سویرے آنے کے لئے کہتے دوکان پر آ کر سب سے پہلے وہ آگ جلاتا' دوکان میں جھاڑو پھیرتا اور کھڑکیاں وغیرہ صاف کرتا۔ اسے کوئی چیز فروخت کرنے کی اجازت نہیں تھی۔ ماسوا اس وقت کہ جب دوکان پر گاہکوں کا زیادہ ہجوم ہو جاتا۔ جہاں تک تنخواہ کا تعلق تھا' اس کے مالکوں نے اس سے کہہ رکھا تھا کہ وہ اسے چھ ماہ تک کوئی تنخواہ نہیں دیں گے۔ اس نے انہیں بتایا کہ اس کے پاس دس پونڈ تھے جو اس نے گزشتہ دس برس میں فارم پر کام کر کے بچائے تھے۔ دنیا میں یہی اس کی ساری پونجی تھی۔ لہٰذا وول ورتھ نے اپنے مالکوں سے کہا کہ اگر وہ اسے دو چار آنے دے دیا کریں تو وہ ان کے ہاں کام کرنے کو تیار ہے۔ باقی خرچ وہ خود برداشت کر لیا کرے گا۔ اس طرح دو چار آنوں کے لئے اسے دن میں پندرہ گھنٹے کام کرنا پڑتا۔

آخرکار اسے ایک دوسری دوکان پر دس پنس فی ہفتہ کے حساب سے ملازمت مل گئی۔ اس کا کام رات کے وقت دوکان کی نگرانی کرنا تھا۔ لیکن یہ جگہ اس کے لئے بڑی پریشان کن ثابت ہوئی' اس کا مالک ہر وقت اس پر بگڑتا رہتا' اسے لعنت ملامت کرتا اور دھمکی دیتا کہ اس کی تنخواہ میں کمی کر دے گا اور اسے گولی مار دے گا۔ وول ورتھ دوکانداروں کی ان بدسلوکیوں سے بے حد شکستہ دل ہو گیا۔ وہ واپس اپنے فارم پر چلا گیا۔ وہاں سال بھر بیمار رہا اور کوئی کام نہ کر سکا۔

ذرا خیال کیجئے کہ یہ آدمی جسے تقدیر نے دنیا کا سب سے بڑا پرچون فروش بنانا تھا' اس وقت اس قدر ہمت ہار چکا تھا کہ اس نے کاروبار کے متعلق ہر خیال اپنے ذہن سے نکال دیا اور اپنے فارم پر مرغیاں پالنے لگا۔

پھر ایک دن اسے یہ جان کر بے حد حیرت ہوئی کہ اس کے سابق میں سے ایک نے اسے ملازمت کے لئے بلا بھیجا تھا۔ وہ مارچ کا ایک سرد ترین دن تھا۔ تمام زمین برف سے ڈھکی ہوئی تھی۔ وول ورتھ کا باپ اس دن آلوؤں کے کچھ بورے گاڑی میں لاد کر منڈی

Marfat.com

لے جا رہا تھا۔ لہٰذا وول ورتھ بھی گاڑی پر چڑھ گیا اور ایک بورے پر سکڑ کر بیٹھ گیا۔ اس وقت اسے یہ کیا خبر تھی کہ اس کا موجودہ سفر اسے اس قدر امیر بنا دے گا کہ اتنی دولت کبھی اس کے وہم و گمان میں بھی نہ آئی تھی۔

اس کی کامیابی کا کیا راز تھا۔ فقط یہ کہ اسے ایک عظیم خیال سوجھا تھا۔ اس نے ساٹھ پونڈ ادھار لے کر ایک ایسی دوکان شروع کر دی جہاں کسی چیز کی قیمت چھ پنس سے زیادہ نہ تھی۔ اس کی یہ پہلی دوکان بالکل ناکام ثابت ہوئی۔ اس قسم کی اس نے چار دکانیں کھولیں جن میں سے تین ناکام ہو گئیں۔

مزید قرض لینے سے گھبرا کر اس نے ایک ہی دوکان کو آہستہ آہستہ وسیع کرنا شروع کر دیا۔ جب وہ چلنے لگی تو اگلے دس سالوں میں اس نے اس قسم کی مزید بارہ دوکانیں کھول لیں۔ آخرکار اس کا شمار امریکہ کے امیر ترین لوگوں میں ہونے لگا۔ اس زمانے میں اس نے ڈھائی لاکھ پونڈ خرچ کر کے اپنے دفتر کے لئے دنیا کی بلند ترین عمارت بنوائی۔

کئی سال پہلے جب وہ ایک غریب نوجوان تھا' اور بار بار شکست کھانے کی وجہ سے اسے خود پر اعتماد نہ رہا تھا تو اس کی ماں اسے کہا کرتی تھی' میرے بیٹے! شکستہ دل نہ ہو' ایک دن تم امیر آدمی بن جاؤ گے۔

○

Marfat.com

کارنیلئس وینڈربلٹ

وہ چیک بک کے بجائے عام سادہ کاغذ استعمال کرتا اور بنک والے وہ کاغذ خوشی خوشی قبول کر لیتے۔

اگر آپ کو کسی شخص سے 80,00,000 پونڈ مل جائیں تو آپ کے دل پر کیا گزرے گی۔ نوجوان الفرڈ وینڈر بلٹ جب اپنی اکیسویں سالگرہ منا رہا تھا تو اس کے ساتھ یہی خوشگوار حادثہ پیش آیا۔

آپ کو یہ بات خواہ کتنی عجیب کیوں نہ لگے' نوجوان الفرڈ وینڈر بلٹ کسی سکول یا کالج کا تعلیم یافتہ نہیں۔ اس نے دنیا میں گھوم پھر کر تجربات کی روشنی میں تعلیم حاصل کی ہے۔ وہ افریقہ کے خوفناک جنگلوں میں جا کر ہاتھیوں شیروں اور زرافوں کے متعلق فلمیں بناتا رہا ہے۔

اس نے کبھی معاشرے کی بہبود پر دو پیسے خرچ نہیں کئے اور نہ ہی کبھی کسی کو چندہ وغیرہ دیا ہے۔ لیکن وہ اپنے باپ اور دادا کی طرح گھوڑوں کی دوڑ میں بے حد دلچسپی لیتا ہے۔ امریکہ میں اس کے گھوڑے ریس کے بہترین گھوڑوں میں شمار ہوتے ہیں۔

پہلی جنگ عظیم کے دوران اس کا باپ الفرڈ وینڈر بلٹ سینئر ایک جہاز میں سفر کر رہا تھا کہ جرمن آبدوز کشتی نے اس میں سوراخ کر دیا۔ اگرچہ وہ ایک نامور کھلاڑی تھا لیکن اسے تیرنا نہ آتا تھا۔ جب جہاز غرق ہو رہا تھا تو اس کو ایک لائف بوٹ میں جگہ دے دی گئی۔ ابھی وہ اپنی جگہ پر بیٹھا ہی تھا کہ ایک عورت بھاگی بھاگی آئی اور کشتی میں بیٹھنے کے لئے منتیں کرنے لگی۔ الفرڈ وینڈر بلٹ سینئر نے اسے اپنی جگہ دے دی۔ تھوڑی دیر بعد ایک اور عورت روتی چلاتی اور اپنے بال نوچتی ہوئی ادھر سے گزری۔ وہ شکایت کر رہی تھی کہ سے لائف بلٹ نہیں ملی تھی۔ وینڈر بلٹ نے اپنی لائف بلٹ اتار کر اس عورت کے حوالے کر دی۔

چند منٹ بعد جہاز ڈوب گیا اور اس کے ہمراہ الفرڈ وینڈر بلٹ بھی۔ وہ ایک شریف

Marfat.com

آدمی تھا اور بہادرانہ موت مرا تھا۔

وینڈر بلٹ خاندان کو بنانے والا دراصل کارنیلئس وینڈر بلٹ تھا۔ وہ بڑا مضحکہ خیز شخص تھا۔ اس کا ایک مجسمہ ابھی تک نیویارک کے گرینڈ سنٹرل سٹیشن کے سامنے نصب ہے۔

کارنیلئس وینڈر بلٹ آج سے تقریباً ڈیڑھ سو برس پہلے جزیرہ سٹیٹن پر پیدا ہوا تھا۔ جب وہ سولہ برس کا تھا تو اس نے اپنی والدہ سے بیس پونڈ ادھار لے کر ایک چھوٹی سی کشتی خرید لی اور جزیرہ سٹیٹن سے مسافروں کو نیویارک لے جانے لگا۔

آپ کے خیال میں ان بیس پونڈ سے اس نے کس قدر کمایا ہو گا؟ دو کروڑ پونڈ! یہ کیسے ممکن ہے، اس نے یہ سب کچھ کیسے کیا؟ بعد میں اس نے جہازوں اور ریل گاڑیوں میں بھی روپیہ لگانا شروع کر دیا تھا۔

اپنی اس قدر دولت کے باوجود وہ کبھی ایک پائی فالتو خرچ نہ کرتا اور بڑے دھیان سے بسر اوقات کرتا۔ مثلاً جب وہ "مرض الموت" میں گرفتار تھا تو اس کے ڈاکٹر نے اسے شمپئن کا مشورہ دیا۔ اس پر وہ چلا کر کہنے لگا' کیا کہا' شمپئن؟ مجھ میں شمپئن پینے کی طاقت کہاں ہوئی' کیا سوڈا واٹر سے کام نہ چل جائے گا؟

شادی کے بعد جب وہ زندگی میں قدم جمانے کے لئے جدوجہد کر رہا تھا تو اس زمانے میں اس کی بیوی ایک ہوٹل چلایا کرتی تھی۔ اس کے علاوہ اسے اپنے گیارہ بچوں کی دیکھ بھال بھی کرنی ہوتی تھی۔ وہ خواب دیکھا کرتی تھی کہ کب ان کے پاس دولت جمع ہو گی اور اسے ہوٹل کے جھنجٹ سے نجات ملے گی اور وہ زندگی کے دن آرام سے گزارے گی۔ لیکن جب اس کے شوہر کا شمار دنیا کے امیر ترین لوگوں میں ہونے لگا تو وہ اکثر کہا کرتی کہ اس کی زندگی کے سب سے اچھے دن وہی تھے جب وہ ہوٹل چلایا کرتی تھی اور کنبے کو پالنے کے لئے اسے مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔

جب بوڑھا کارنیلئس امیر ہو گیا تو وہ شہر میں منتقل ہونا چاہتا تھا۔ لیکن اس کی بیوی قدامت پرست تھی اور اپنی پرانی جگہ چھوڑنے پر تیار نہ تھی۔ اس بات پر دونوں کے درمیان جھگڑا ہو گیا۔ بوڑھا اپنی بیوی کو پاگل کہا کرتا تھا۔ اپنی یہ بات سچی کرنے کے لئے اس نے اسے پاگل خانے بھیج دیا اور وہاں اسے ایک برس تک رکھا۔

اس کا خیال تھا کہ اس کا بڑا لڑکا بلی بالکل ناکارہ شخص تھا اور کسی بھی کاروبار کے لائق

Marfat.com

نہیں۔ لہٰذا اس نے بلی کو ایک مدت تک فارم پر ہی رکھا۔ حتیٰ کہ وہ چالیس برس کا ہو گیا۔

پھر بلی نے اپنی ہوشیاری اور چابک دستی دکھانی شروع کر دی۔ وہ تجارت میں کل پرزے نکالنے لگا۔ اس پر بوڑھا کارنیلئس بڑا خوش ہوا اور اپنے کاروبار کا ایک حصہ اس کے سپرد کر دیا۔ جب کارنیلئس مرا تو اپنے پیچھے ایک کروڑ اسی لاکھ پونڈ کی جائیداد چھوڑ گیا۔ لیکن جب اس کا بیٹا بلی فوت ہوا تو اس نے چار کروڑ پونڈ جائیداد چھوڑی۔

بڈھے کارنیلئس میں بہت سی عجیب و غریب باتیں تھیں۔ مثلاً اس نے کبھی چیک بک استعمال نہ کی تھی۔ وہ اپنے چیک ہمیشہ سادے کاغذ پر لکھا کرتا تھا۔ اسے دوسروں کے خیال اور رائے کی مطلق پروا نہ ہوتی تھی۔ جب وہ چوراسی برس کا تھا اور بستر مرگ پر پڑا تھا تو اس وقت بھی وہ کسی دوسرے کی بات ماننے کو تیار نہ تھا۔ جب نرسوں اور ڈاکٹروں نے اس سے اپنی بات منوانی چاہی تو وہ ان پر گرم پانی کی بوتلیں پھینکنے لگا۔ اس کی موت سے کئی دن قبل اخباروں کے رپورٹر اس کے مکان کے سامنے جمع رہنے لگے۔ وہ اس کی موت کی خبر کے منتظر تھے۔ اس بات نے اسے بے حد مشتعل کر دیا۔ ایک دن جب ایک رپورٹر نے دروازے کی گھنٹی بجائی تو وہ رینگتا ہوا اپنے بستر پر سے اٹھا اور زینے کے قریب جا کر زور سے چلایا۔ ”میں ابھی تک نہیں مرا اور نہ ہی ابھی مرنے کا ارادہ ہے۔“

جب وہ بیمار تھا تو اس نے اپنی مرحوم والدہ کی روح سے باتیں کرنے کے لئے ماہرین روحانیات کو بتایا۔ اس کی والدہ کی روح نے اسے بتایا کہ وہ اپنی کمر پر پلستر لگوا لے' ڈاکٹروں کے منع کرنے کے باوجود وہ کمر پر پلستر لگوا کر رہا۔

اپنی بے شمار دولت کے سبب اس کا شمار امریکہ کے امیر ترین لوگوں میں ہوتا تھا۔ وہ کسی سے نہ ڈرتا تھا' اس کے باوجود اس نے اپنی چارپائی کے چاروں پایوں کے نیچے نمکین پانی سے بھری ہوئی طشتریاں رکھی ہوئی تھیں۔ مبادا سوتے میں روحیں اس پر حملہ آور ہو جائیں۔

○

حکمران

پرنس روڈلف

بھرے گھر میں اسے قتل کر دیا گیا' اس کے قاتل کا سراغ آج تک نہیں مل سکا۔

جنوری 1889ء کی ایک یخ بستہ کہرائی ہوئی صبح کو طلوع آفتاب سے پہلے شہزادہ روڈلف کے کمرے سے پستول کی تین گولیاں چلنے کی آواز آئی شہزادہ روڈلف جو آسٹریا اور ہنگری کی مشترکہ سلطنت کا ہونے والا بادشاہ تھا۔

روڈلف کے دوست جو کمرے میں سوئے ہوئے تھے' بجلی کی طرح اپنے بستروں سے باہر نکلے اور شہزادے کے کمرے کا دروازہ کھٹکھٹانے لگے' کوئی جواب نہ پا کر انہوں نے دروازے کی چولیں اکھاڑ دیں اور اندر داخل ہو گئے۔

کمرے میں داخل ہو کر انہوں نے جو نظارہ دیکھا اس نے ان کے اعصاب پر ایک رعشہ طاری کر دیا۔ کمرے کی ہر شے بکھری پڑی تھی۔ کرسیاں اوندھی پڑی تھیں' اور شراب کی خالی بوتلیں فرش پر بکھری پڑی تھیں۔ پلنگ کے تکیوں پر خون کے سرخ دھبے پڑے تھے۔ شہزادہ روڈلف اپنے شکاری لباس میں ملبوس بستر پر بے حس پڑا تھا۔ اس نے اپنے بوٹ بھی نہ اتارے ہوئے تھے۔ اس کے سر کے پرخچے اڑ چکے تھے' اس کے پہلو میں اس عورت کا برہنہ جسم پڑا تھا جس سے وہ محبت کرتا تھا۔ اسے اس کی کنپٹی میں گولی مار کر ہلاک کر دیا گیا تھا۔ لیکن اس کا زخم اس کے خوبصورت بالوں میں ڈھکا ہوا تھا جنہیں روڈلف اکثر پیار سے چوما کرتا تھا۔ اس کے جسم پر اور کوئی نشان نہ تھا۔ وہ ایک یونانی دیوی کی طرح خوبصورت تھی اور موت کی آغوش میں بھی اتنی ہی حسین دکھائی دے رہی تھی' جتنی کبھی زندگی میں تھی۔

یہ المیہ آج سے کوئی تقریباً" سو برس پہلے آسٹریلیا کے ایک دور افتادہ علاقے میں پیش آیا۔ لیکن یہ قتل یا یہ خودکشی آج بھی آپ کی زندگی پر اثر انداز ہے اور دنیا کی تاریخ پر اس کا گہرا اور جامع اثر ہے۔

Marfat.com

اس کی وضاحت بڑی سیدھی سادی ہے۔

اگر ڈیمو کریٹک شہزادہ روڈلف زندہ رہتا تو ممکن ہے کہ وہ 1914ء میں جرمنی کے قیصر کو پہلی جنگ عظیم میں فوجی امداد دینے سے انکار کر دیتا۔ کیونکہ اسے قیصر سے سخت نفرت تھی۔ یہ بھی ممکن تھا کہ روڈلف انگلینڈ کے خلاف لڑنے سے انکار کر دیتا۔ کیونکہ اسے انگلینڈ سے محبت تھی، اس طرح پہلی جنگ عظیم اور بعد میں دوسری جنگ عظیم کی آتش ہی نہ بھڑکتی۔

کیا روڈلف نے پہلے اپنی محبوبہ کو ہلاک کر کے پھر خودکشی کی تھی یا کسی تیسرے شخص نے ان دونوں کو ہلاک کیا تھا؟ یہ راز کوئی نہیں جانتا۔ اس پر اسرار المیے کے متعلق کئی لوگوں نے بیسیوں کتابیں لکھی ہیں۔ لیکن ممکن ہے کہ یہ بھید کبھی نہ کھل سکے۔

جب یہ واقعہ رونما ہوا تو اس وقت شہزادے کے ملحقہ کمرے میں اس کے فقط دو اور دوست تھے۔ وہ لوگ شکار کھیلنے کی غرض سے آسٹریلیا کے ایک دور افتادہ علاقے میں گئے ہوئے تھے۔ ان دونوں کا خیال تھا کہ شہزادے نے خودکشی کی تھی، وہ جانتے تھے (اور ان کی طرح وی آنا کا ہر بشر جانتا تھا) کہ شہزادے کی ازدواجی زندگی بڑی تلخ تھی۔

آٹھ برس پہلے اس نے سنہری بالوں والی شہزادی سٹیفنی سے شادی کی تھی جو بلجیم کے بادشاہ کی بیٹی تھی۔ مگر وہ دونوں ایک دوسرے سے محبت نہ کرتے تھے۔ یہ شادی سیاسی وجوہ کی بنا پر ان دونوں پر نافذ کی گئی تھی۔ کئی برس سے ان کے تعلقات کشیدہ تھے۔ شہزادی کبھی کبھار اپنے شوہر کے کمروں میں جاتی تھی۔ اس کے باوجود جب شہزادہ دوسری عورتوں کو اپنے لطف و کرم سے نوازتا تو اس کی بیوی حسد کی آگ میں بری طرح جلنے لگتی۔

روڈلف نے دنیا بھر کی سیاحی کی تھی۔ وہ دس زبانیں بول سکتا تھا۔ اس نے کئی کتابیں لکھی تھیں اور لوگوں میں بڑا مقبول تھا۔ حقیقت میں وہ آسٹریلیا کے دارالحکومت وی آنا کی آنکھ کا تارا تھا۔

1888ء میں یعنی اپنی موت سے ایک برس پہلے اس کی ملاقات بیرونس ماری وتسیرا نامی ایک نہایت مسحور کن اور پر کشش لڑکی سے ہوئی جس کی رگوں میں قدیم یونانیوں کا خون جاری تھا۔ اس کی عمر انیس برس تھی۔ شہزادہ اس وقت انتیس برس کا تھا۔ دونوں والہانہ طور پر ایک دوسرے کے شیدائی ہو گئے۔

یہ معاشقہ آگ کی طرح سارے وی آنا میں پھیل گیا اور جہاں بھی چار لوگ مل کر

Marfat.com

بیٹھتے' اس کا ذکر ہوتا۔ اڑتے اڑتے یہ خبر بوڑھے بادشاہ فرانز جوزف تک بھی جا پہنچی۔ پہلے تو اس نے اس پر کوئی توجہ نہ دی۔ مگر یہ معاشقہ طول پکڑتا گیا تو صورت حال کچھ بدتر شکل اختیار کرنے لگی۔ اب بچے بچے کی زبان پر یہ داستان محبت تھی۔ لہٰذا فرانز جوزف نے اپنے بیٹے کو محل میں بلایا اور اسے یہ ناجائز معاشقہ بازی ختم کرنے کی تنبیہہ کی۔

لیکن روڈلف نے بوڑھے بادشاہ کی حکم عدولی کی اور قسم کھائی کہ وہ ماری کو کبھی نہیں چھوڑے گا۔ اس پر فرانز جوزف مشتعل ہو گیا اور اس نے اپنے بیٹے کو ڈرایا دھمکایا۔ لیکن یہ سب دھمکیاں بے کار ثابت ہوئیں روڈلف اپنی بات پر اڑا رہا اور یہاں تک کہہ گیا کہ وہ ماری کے لئے تخت و تاج سے دست بردار ہونے کو تیار ہے اور حقیقت بھی یہی تھی' روڈلف نے ارادہ کر لیا تھا کہ وہ تخت سے کنارہ کش ہو جائے گا اور اپنی پہلی بیوی کو طلاق دے کر ماری سے شادی کر لے گا' اس پر بادشاہ نے اسے مزید لعنت ملامت کی۔

اس واقعہ کے بعد روڈلف اور ماری دنیا کی نظروں سے چھپ چھپ کر اس خفیہ مکان میں ایک دوسرے سے ملتے رہے جہاں بعد میں وہ دونوں قتل ہوئے۔ جنوری کے ایک ہفتے کو وہ چند پر مسرت دن گزارنے کے لئے وہاں گئے ہوئے تھے کہ یہ المیہ رونما ہو گیا۔ اچانک پستول کے تین فائر سنائی دیئے اور تاریخ کا رخ بدل گیا۔

اس المیے سے ایک صبح پہلے روڈلف کو اس کے خاص خدمتگار نے نیند سے بیدار کیا کیونکہ اس صبح اس نے شکار کھیلنے جانا تھا لیکن اس کے ملازم نے اسے بتایا کہ مطلع ابر آلود ہے اور موسم بھی بے حد سرد ہے۔ لہٰذا روڈلف نے اس دن شکار کھیلنے کا ارادہ ترک کر دیا۔ اس نے اپنی گاڑی منگوائی اور وی آنا واپس جانے کی خواہش ظاہر کی۔

وہ خدمت گار آخری شخص تھا جس نے روڈلف اور اس کی محبوبہ کو زندہ دیکھا تھا۔ اس نے بتایا کہ شہزادہ اس صبح بڑا خوش تھا جب بھی اس سے پوچھا گیا اس نے ہمیشہ یہی کہا کہ روڈلف اور ماری نے خودکشی نہیں کی بلکہ انہیں قتل کیا گیا ہے۔

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر روڈلف کو خودکشی کرنے کی ایسی کون سی مصیبت پڑی تھی۔ دنیا میں بہت کم لوگوں کو اس جیسی نعمتیں حاصل تھیں' بے بہا دولت' عوام میں حد سے بڑھی ہوئی مقبولیت' جوانی' محبت اور ہاپسبرگ کا تخت' آخر اس کے پاس کیا کچھ نہیں تھا۔

بوڑھے بادشاہ نے اس معاملے پر پردہ ڈالنے کے لئے شاہی ڈاکٹر سے یہ بیان دینے کو کہا

Marfat.com

کہ شہزادہ مرگی سے مرا ہے۔ لیکن شاہی ڈاکٹر نے صاف انکار کر دیا۔

روڈلف کو شاہی شان و شوکت سے اس کے آباؤ اجداد کے ساتھ شاہی قبرستان میں دفن کیا گیا جنہوں نے آسٹریا پر چھ صدیوں تک حکومت کی تھی۔ لیکن اس کی محبوبہ کی لاش کو ایک بڑے ٹوکرے میں بند کر کے اسی مکان کے ایک کمرے میں بند کر دیا گیا جہاں وہ چند روز کسمپرسی کی حالت میں پڑی رہی۔ آخر چند روز بعد دیودار کے درختوں کے ایک گھنے جنگل میں دفن کر دیا گیا۔ وہ ہیٹ جسے پہن کر وہ خوشی خوشی اپنے محبوب کو ملنے آئی تھی، تکئے کے طور پر اس کے سر کے نیچے رکھا گیا تھا۔

فقط دیودار کے درختوں میں سے گزرنے والی ماتمی ہوا نے اس کا نوحہ پڑھا۔

Marfat.com

قلوپطرہ

دنیا کی حسین ترین اور دور اندیش عورت اس نے انتالیس برس کی عمر
میں خودکشی کر لی دنیا کے دو عظیم ترین شخص اس کے دام محبت میں
گرفتار رہے۔

یہ اس حسین ترین عورت کی داستان حیات کا ایک ٹکڑا ہے جسے دیکھتے ہی مردوں کے خون کی گردش تیز ہو جاتی ہے' اس کا نام قلوپطرہ تھا۔ وہ سرزمین مصر کی دیوی صفت ملکہ تھی' قلوپطرہ---- نیل کی جادوگرنی۔

اسے مرے دو ہزار برس ہو چکے ہیں لیکن اس کی شہرت صدیوں کی قیود سے آزاد چڑھتے سورج کی روشنی کی طرح پھیلتی جا رہی ہے' اس نے انتالیس برس کی عمر میں خودکشی کر لی تھی۔ لیکن اس مختصر سی زندگی میں اس نے دنیا کے دو عظیم ترین انسانوں کو اپنی محبت کی سحر میں گرفتار کر لیا تھا۔ وہ انسان مارک انطونی اور جولیس سیزر تھے۔ مؤخرالذکر کا احترام آپ اتنی ہی دفعہ کریں گے جتنی دفعہ جولائی کے مہینے کا نام لیں گے۔ کیونکہ اس ماہ کا نام اس کی یاد میں رکھا گیا ہے۔

سیزر نے عملی طور پر ساری دنیا فتح کر لی تھی۔ لیکن چھوٹی موٹی قلوپطرہ نے اسے فتح کر لیا' اور اس نے یہ کس طرح کیا' یہ کہانی تاریخ کی نہایت ڈرامائی کہانی ہے۔

حضرت یسوع مسیح کی ولادت سے اڑتالیس برس پہلے جب جولیس سیزر کا جنگی بیڑا سکندریہ کی بندرگاہ پر لنگر انداز ہوا تو اس زمانے میں قلوپطرہ کی حالت بڑی خراب تھی۔ اس کا تخت اس سے چھین لیا گیا تھا۔ وہ پائی پائی کی محتاج تھی اور اسے اپنے قتل کا دھڑکا ہر وقت لگا رہتا تھا۔ اس نے اپنے بھائی سے شادی کر لی تھی۔ مگر ان دونوں میں خانگی جھگڑے بے حد طول پکڑ گئے تھے۔ اس کے بھائی نے اس پر حملہ کر دیا تھا۔ اور وہ اپنی جان بچانے کی خاطر قاہرہ سے بھاگ گئی تھی۔ سیزر نے اسے اپنے روبرو پیش ہونے کا حکم دیا۔ لیکن وہ اس

Marfat.com

کے سامنے کس طرح آتی؟ یہ ایک مسئلہ تھا کیونکہ سکندریہ اس کے بھائی کے جاسوسوں سے بھرا ہوا تھا۔ اگر وہ پکڑی جاتی تو اس کا مطلب موت تھا۔ آخر ایک اندھیری رات کو وہ اپنے ملازم کے ہمراہ مچھلیاں پکڑنے کی ایک کشتی میں بیٹھ کر سکندریہ میں داخل ہوئی۔ اس کے ملازم نے اسے ایک غالیچے میں لپیٹ رکھا تھا جسے اب محل کے اندر پہنچانا تھا۔ محل کے اندر پہنچ کر اس کے ملازم نے سیزر کی آنکھوں کے سامنے غالیچہ کھول دیا۔

جب قلوپطرہ اس کے اندر سے نکل کر مسکرانے اور کمرے میں تھرکنے لگی تو اس کے مرمریں اور بلور جیسے جسم کو دیکھتے ہی حیرت زدہ سیزر کی رگوں میں اس کا خون گردش کرنے لگا۔ ایسا سحر آفریں نظارہ اس نے پہلے کبھی نہ دیکھا تھا۔ وہ منہ ہی منہ میں کہنے لگا۔ ''ایسی حسینائیں روم میں کیوں نہیں ہوتیں؟''

سیزر اس وقت چودہ برس کا تھا۔ اس کا سر گنجا ہو چکا تھا قلوپطرہ کی عمر اس وقت اکیس برس کی تھی۔ قلوپطرہ کو دیکھتے ہی سیزر کو یوں محسوس ہونے لگا جیسے کوئی طوفانی موج اسے اٹھا کر محبت کے کہر آلود جزیروں میں چھوڑ آئی ہو۔ اس کی ذہانت اور جذبات کی اشتعال انگیزی نے سیزر کو زندگی بھر کے لئے قلوپطرہ کا بے دام غلام بنا دیا۔

اس کا بھائی اسے ہلاک کرنا چاہتا تھا۔ سیزر نے قسم کھائی کہ وہ اس نوجوان کو ایسا سبق سکھائے گا کہ عمر بھر یاد کرے گا۔ اس نے جری رومی سپاہیوں کو مصری فوج پر حملہ کرنے کا حکم دے دیا اور قلوپطرہ کے بھائی کا دریائے نیل تک تعاقب کیا۔ جہاں وہ ڈوب کر ہلاک ہو گیا۔

اس کے بعد قلوپطرہ بے روک ٹوک مصر کی ملکہ بن گئی اور فرعون کی سرزمین اس کے قبضہ میں آ گئی۔

کئی ماہ گزر گئے۔ سیزر کا قلوپطرہ کے بطن سے ایک بیٹا پیدا ہوا' سیزر کی ایک بیوی روم میں تھی۔ لہٰذا وہ مروجہ قانون کے تحت قلوپطرہ سے دوسری شادی نہ کر سکتا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ لوگ اس کے خلاف باتیں بنائیں گے۔ لہٰذا لوگوں کی زبانوں کو لگام دینے اور ساتھ ہی اپنے بیٹے سیزر کا جائز وارث بنانے کی خاطر قلوپطرہ نے ایک بڑی شاندار چال چلی۔ اس نے پادریوں کو حکم دے دیا کہ وہ سیزر کو ایک انسان کے بجائے دیوتا قرار دے دیں۔ اب وہ سورج کے دیوتا امون کا اوتار تھا اور سیزر کے بھیس میں ان کی ملکہ کو ایک بیٹا دینے آیا تھا۔

اگرچہ آج یہ کہانی بڑی عجیب نظر آتی ہے لیکن آج سے دو ہزار برس پہلے لوگوں نے اس پر یقین کر لیا۔ اگر قلوپطرہ ہمارے زمانے میں ہوتی تو اس داستان طرازی کا خمیازہ بھگتنا پڑتا۔

اس کے تھوڑے عرصہ بعد سیزر قتل ہو گیا اور شرابی مقروض مارک انطونی روم کا سب سے بڑا طاقتور انسان بن گیا۔ اپنی فتح کے نشہ سے چور اس نے مشرق پر حملہ کر کے لوٹ کھسوٹ کا بازار گرم کر دیا اور خود بھی ایک قسم کی غیر اخلاقی زندگی بسر کرنے لگا۔ اس وقت مصر مشرق کا دولت مند ترین ملک تھا۔ لہٰذا انطونی کے بعض عقیدت مندوں نے اس سے کہا' آیئے سکندریہ چلیں' قلوپطرہ کا سر اڑا دیں اور مصر میں عیش و عشرت کا بازار گرم کریں۔"

یہ خبر سن کر قلوپطرہ کانپ گئی' وہ انطونی کو کس طرح روکے؟ جنگ و جدل سے نہیں؟ محبت اور پیار سے' ہاں یہ حربہ کامیاب رہے گا۔ لہٰذا ڈرامائی طور سے ملکہ ایک سنہری جہاز میں بیٹھ کر انطونی کو ملنے چل پڑی۔ اس کے گرداگرد ایک الف لیلوی ماحول تھا۔ اس نے اپنی نشست کے آس پاس محبت کے دیوتا کیوپڈ کی علامت کے طور پر کئی خوبصورت لڑکوں کی تصویریں بنوائیں تھیں جو اسے مورچھل سے پنکھا کر رہے تھے۔ آس پاس کئی جذبات انگیز خادمائیں تھیں جنھوں نے ریشمی ملبوس پہن رکھے تھے' صحرائی موسیقی کی لہروں پر ناچ رہی تھیں' طرح طرح کی خوشبوؤں اور صندل اور لوبان کے جلنے سے سارا ماحول نشیلا بنا ہوا تھا۔ اس سارے طلسمی ماحول میں قلوپطرہ بذات خود ایک ابریشمی صوفے پر محبت کی دیوی وینس کا روپ دھارے بیٹھی تھی۔

اب اگر آپ مارک انطونی ہوتے تو خود ہی بتایئے کہ کیا کرتے انطونی اس ساری فسوں کاری کے سامنے بے بس ہو گیا۔ اس نے خود کو سنبھالنے کی کوشش ہی نہ کی۔

انطونی بڑا اکھڑ' سخت گیر اور ایک حد تک بد تہذیب انسان تھا جو عورتوں کے مجمع میں بڑا خوش رہتا اور بعض اوقات اپنے ملک کو بدنام کرنے سے گریز نہ کرتا اور اب قلوپطرہ جو ایک عظیم نسل سے تعلق رکھتی تھی' نہایت مہذب اور شائستہ خاتون تھی اور شعروں میں باتیں کرتی تھی' اس کی بیوی بن گئی۔ وہ اس کی محبت میں والہانہ گرفتار ہو گیا جس سے اس کی ہنگامہ خیز نیم وحشی زندگی میں ایک قسم کا سکون آ گیا۔ وہ اپنی بیوی کا اس قدر والہ و شیدا

Marfat.com

ہوا کہ گزشتہ دو ہزار برس کی تاریخ میں اس کی مثال نہیں۔

قلوپطرہ مردوں کو قابو میں رکھنا جانتی تھی۔ اس نے انطونی کے طور و اطوار کی پرواہ نہ کی۔ وہ اس کی خواہش کے مطابق سبھی کچھ کرتی' وہ اس کے ساتھ شمشیر زنی کرتی اور شکار کھیلنے جاتی۔ بعض اوقات ایک غلام کا بھیس بدل کر اس کے ساتھ رات کے وقت گلیوں میں پھرتی۔ ایک دفعہ وہ دریائے نیل میں مچھلیاں پکڑ رہے تھے' انطونی کے ہاتھ کوئی مچھلی نہ لگ رہی تھی۔ اس نے اس بات کی قلوپطرہ سے شکایت کی۔ قلوپطرہ نے اپنے ایک ملازم کو حکم دیا کہ وہ چوری سے ایک مچھلی لے کر جہاز کے پیچھے سے ہو کر دریا میں اتر جائے اور پانی کے اندر غوطہ لگا کر وہ مچھلی انطونی کے کانٹے میں پھنسا دے۔

قلوپطرہ اس کا بے حد خیال رکھتی اور اس کے لئے طرح طرح کے کھانے تیار رکھتی تاکہ جس وقت انطونی کو جس کھانے کی خواہش ہو اسے مل جائے۔ قلوپطرہ کی اس خدمت اور وفاداری پر انطونی اس کا اس قدر گرویدہ ہو گیا کہ ہوش و حواس بھی کھو بیٹھا اس نے تحفے کے طور پر اپنے کئی مفتوح علاقے قلوپطرہ کو دے دیئے۔ ان میں قبرص کا جزیرہ بھی شامل تھا۔ اس کی دریا دلی کا نقطہ عروج یہ تھا کہ اس نے سارے کا سارا ایشیا قلوپطرہ کے حوالے کر دیا۔

ان تحائف کی خبر جب روم میں پہنچی تو وہاں کے لوگوں کے اندر نفرت اور غصے کا لاوا کھولنے لگا' کیا سینکڑوں لڑائیوں بھڑائیوں کے بعد اہل روما کے قیمتی خون سے حاصل کئے ہوئے یہ علاقے ایک مصری حسینہ کی اداؤں پر اس طرح اس کے حوالے کر دیئے جائیں گے؟ اس کا جواب جنگ تھا۔ قلوپطرہ کے دن بیت چکے تھے۔ وہ اپنا کھیل کھیل چکی تھی۔ روم غصے سے مشتعل ہو گیا۔ اس نے قلوپطرہ اور انطونی کی فوجوں کو شکست دے کر ان کے جہاز تک نیست و نابود کر دیئے۔

وہ اپنے انجام سے باخبر تھے۔ انطونی جانتا تھا کہ اگر وہ زندہ گرفتار ہو گیا تو اس کا سر قلم کر دیا جائے گا۔ لہٰذا اس نے اپنے سینے میں چھرا گھونپ لیا اور گر کر اس سے چمٹ گیا۔

قلوپطرہ نے قسم کھائی کہ وہ کبھی گرفتار نہ ہو گی' وہ نہ چاہتی تھی کہ اس کے ہاتھوں اور پیروں میں بیڑیاں ڈال کر اسے روم کی گلیوں میں پھرایا جائے اور لوگ اس پر آوازے کسیں۔ لہٰذا اس نے زہر کھا کر خودکشی کر لی' اس نے خودکشی کیسے کی' یہ راز کبھی کوئی نہ

Marfat.com

کھول سکے گا۔ وہ لوگ بھی یہ سربستہ راز کھولنے میں ناکام رہے جو اس کی موت کے بیس منٹ بعد ہی اس کے کمرے میں پہنچ گئے تھے۔ بعض کہتے ہیں کہ پہلے اس نے دانتوں سے اپنے بازو پر زور سے کاٹا تھا اور پھر زخموں میں زہر ڈال لیا تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ اس نے پھولوں کی ٹوکری میں ایک سانپ اپنے کمرے میں منگوایا تھا اور جب دشمن کی فوجیں اس کے محل کا دروازہ توڑ رہی تھیں تو اس نے وہ سانپ اپنی چھاتی پر ڈسا لیا تھا۔

آج وہ مصر میں کہیں مارک انطونی کے پہلو میں دفن پڑی ہے وہ کون سی جگہ ہے، بھی ایک سربستہ راز ہے۔ اگر آپ اسکندریہ میں جا کر اس کی قبر تلاش کرنے میں کامیاب ہو جائیں تو آپ بڑے دولتمند ہو جائیں گے اور دنیا بھر کے اخبارات میں آپ کا نام جلی حروف میں شائع ہو گا۔

○

Marfat.com

کیتھرین

وہ دنیا کے سب سے بڑے ملک کی ملکہ تھی وہ اپنے عاشقوں کی فہرست میں اضافہ کر کے بے حد خوش ہوتی۔

روس کے شاندار تخت پر جتنے بادشاہ جلوہ افروز ہوئے ہیں ان میں ملکہ کیتھرین عظیم تر تھی۔

لیکن اس کا حقیقی نام کیتھرین نہ تھا اور وہ روسی بھی نہ تھی، بعض مؤرخ تو اسے عظیم بھی نہیں مانتے۔

جب وہ روس میں آئی تو کچھ بھی نہ تھی، وہ افلاس کی ماری ہوئی ایک جرمن شہزادی تھی جسے ہر کوئی راہ کا پتھر سمجھ کر ٹھوکر مار دیتا تھا۔ جب وہ روس میں پہنچی تو بالکل بے یار و مددگار تھی، اس کے باوجود وہ روس کے تخت کے وارث شہزادے ڈیوک پیٹر سے شادی کرنے میں کامیاب ہو گئی۔ لیکن جہاں تک پیٹر کا تعلق ہے، اس کی کوئی اہمیت نہ تھی، وہ حد درجے کا احمق تھا، اس کے چہرے پر چیچک کے داغوں اور پھنسیوں نے چھاؤنی ڈال رکھی تھی اور وہ جوتوں سمیت ہی بستر میں گھس جایا کرتا تھا، زار بننے کے بعد بھی..... وہ اپنے معمولی ملازموں کے ہمراہ شراب پینے سے باز نہ آتا تھا۔ وہ چھڑی لے کر خود اپنے ہاتھوں سے اپنے سپاہیوں کو مارا کرتا تھا اور بعض اوقات فرش پر لیٹا پہروں موم کی گڑیوں سے کھیلتا رہتا تھا۔ ان گڑیوں کو اس نے سپاہیوں کی وردی پہنائی ہوئی تھی۔

کیتھرین کے بچے بھی تھے۔ لیکن اس کا احمق شوہر انہیں اپنے بچے تسلیم نہ کرتا تھا، وہ صاف کہہ دیا کرتا تھا کہ یہ اس کے بچے نہیں۔

وہ سینکڑوں مہمانوں کے روبرو کیتھرین کی بے عزتی کرتا تھا، وہ اسے ایسی فحش گالیاں دیا کرتا تھا کہ انہیں دہرانے کی مجھ میں ہمت نہیں۔ وہ اسے طلاق دینے کی دھمکی دیا کرتا تھا اور یہ بھی کہا کرتا کہ وہ اسے زندگی بھر کے لئے کال کوٹھڑی میں بند کر دے گا۔

اسے کیتھرین سے بے حد نفرت تھی، ادھر کیتھرین بھی اسے حقارت سے دیکھتی تھی۔

Marfat.com

لہٰذا اس نے اپنے شوہر کے خلاف بغاوت کر دی' اسے تخت سے معزول کر دیا اور اپنے ایک عاشق کی وساطت سے اس کی شراب میں زہر ملا دیا۔

لیکن پیٹر اتنا سخت جان تھا کہ زہر بھی اس پر پوری طرح اثر انداز نہ ہو سکا۔ لہٰذا کیتھرین کے عاشق نے لات مار کر اسے زمین پر گرا دیا اور اس کے گلے میں رومال باندھ کر اسے اس وقت تک بل دیتا گیا جب تک پیٹر مر نہ گیا۔

تب اس واقعے کے اکتیس برس بعد تک کیتھرین روئے زمین کی ایک عظیم سلطنت پر حکومت کرتی رہی' وہ ایک ایسی سرزمین پر حکمران رہی جس میں پچاس مختلف نسلیں آباد تھیں' اس کے باوجود وہ روس کو اپنا چھوٹا سا گھر کہا کرتی تھی۔ اس نے پھر کبھی شادی نہ کی' لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ تنہا رہی' اس کے رومان بھرے گرم و گداز دل کی رقص گاہ میں سینکڑوں عاشق رقص کرتے رہتے تھے۔ لیکن وہ اپنے پوتوں کے ساتھ اتنی سختی برتتی کہ اس نے انہیں علم نباتات کی تعلیم حاصل کرنے سے منع کر دیا کیونکہ وہ اس سے پوچھا کرتے تھے کہ پودے کس طرح پیدا ہوتے ہیں۔

وہ اپنے عاشقوں اور مداحوں کی خوب مدد کرتی اور ان پر لاکھوں روپے صرف کر دیتی۔ اگرچہ ان میں سے کئی بڑے نااہل تھے مگر اس نے انہیں روسی فوج میں جرنیل بنا رکھا تھا۔ اس نے پولینڈ کو فتح کیا اور اپنے ایک عاشق کو اس کا حکمران بنا دیا۔ وہ پولینڈ کا حکمران نہ بننا چاہتا تھا' لیکن کیتھرین اس سے تنگ آ چکی تھی اور اس سے پیچھا چھڑانا چاہتی تھی۔ لہٰذا اس نے اس محزون کو ایک طرح پولینڈ میں ملک بدر کر دیا۔ بعد میں کیتھرین نے اسے تباہ کر دیا اور اس کا طلائی تخت روس میں لے آئی۔ وہ تخت اس نے اپنے غسل خانے میں رکھوا دیا اور اس پر بیٹھ کر نہایا کرتی۔

اس کے ایک خاص منظور نظر کا نام گریگری اورلوف تھا۔ وہ ایک فوجی افسر تھا اور بڑا خوبصورت تھا۔ اس کا جسم یونانی دیوتاؤں جیسا تھا۔ وہ ملکہ کو اپنے مکوں سے مار مار کر نیلا پیلا کر دیا کرتا۔ تب وہ اس سے اکتا کر ہفتوں اسے شکل نہ دکھاتا اور محل کی ہر حسین خادمہ کو چومتا پھرتا' لیکن اگر کیتھرین فراخ دل نہ ہوتی تو کچھ بھی نہ ہوتی' وہ ہر دفعہ خوبصورت اورلوف کو معاف کر دیتی اور خطابوں اور دولت سے مالا مال کر دیا کرتی۔ آخر وہ ایک لڑکی کے ساتھ بھاگ گیا اور بعد میں پاگل ہو گیا۔

تب عظیم کیتھرین کو ایک بدصورت دیو آسا مرد سے عشق ہو گیا۔ اس کا نام پوتمکن

Marfat.com

تھا- پوتمکن کی فقط ایک آنکھ تھی' دوسری ایک جنگ کی نظر ہو گئی تھی- اگرچہ پوتمکن ایک ایسے محل میں رہتا تھا جہاں دنیا کی ہر خوبصورت چیز موجود تھی' مگر وہ پاؤں میں فقط سلیپر پہن کر محل میں پھرتا رہتا تھا- اس کے کھردرے بال ہمیشہ بکھرے رہتے- غسل سے اسے خدا واسطے کا بیر تھا- وہ اپنی انگلیوں کے ناخن چوستا رہتا- وہ خام پیاز اور لہسن بڑی رغبت سے کھاتا' لیکن پوتمکن طاقت کا پہاڑ تھا اور اس کا فقط ایک لمس ہی کیتھرین کو مسرت سے ہمکنار کر دیتا' وہ اسے پیار سے سنہری تیتر اور کبوتر کہا کرتی-

اس کا کبوتر روس کے عظیم ترین جرنیلوں میں سے تھا- اس کے باوجود وہ توپوں کی گرج سے بے حد خائف ہوتا اور جب کبھی کوئی توپ چلتی' وہ کسی لڑکی کی طرح کانپنے لگتا-

اگرچہ کیتھرین دنیا کی امیر ترین عورت تھی لیکن وہ دن میں فقط دو دفعہ کھانا ہی کھاتی تھی- پھر اس کی غذا بھی بڑی معمولی قسم کی ہوتی تھی- اس سے اچھی غذا تو ایک اوسط درجے کی آمدنی والا شخص کھاتا تھا مگر اس کا کھانا سونے کی طشتریوں میں آتا' اگر کبھی خانساماں سے گوشت جل جاتا تو وہ قہقہہ لگاتی اور اسی طرح کھا جاتی-

اگرچہ وہ دنیا کی سب سے بڑی عاشق مزاج عورت تھی- لیکن اس نے کبھی شراب کا ایک قطرہ تک اپنے حلق سے نہ اتارا تھا- وہ پھلوں کے رس بڑے شوق سے پیتی- اس کے علاوہ وہ ہر صبح کافی کی پانچ پیالیاں پیتی' یہ پانچ پیالیاں تیار کرنے کے لئے ایک پاؤنڈ کافی استعمال کی جاتی تھی-

اس کے گرداگرد سینکڑوں خادم رہتے' اس کے باوجود وہ اپنی آگ خود جلایا کرتی تھی- اس نے اپنی زندگی میں کبھی تمباکو نہ پیا' لیکن وہ نسوار خوب چڑھایا کرتی' یہ نسوار اس کے لباس پر عام بکھری ہوئی ملتی' حد تو یہ تھی کہ نسوار کی بو اس کے لباس میں بھی رچی ہوتی تھی-

وہ بڑی دراز قد تھی اور خود کو مزید دراز قامت بنانے کے لئے گردن لمبی کر کے چلا کرتی- یہ الگ بات ہے کہ بچپن میں بیماری کے باعث اس کی کمر ٹیڑھی ہو گئی تھی اور اسے سیدھا کرنے کے لئے اسے مہینوں ایک آہنی جیکٹ بنی پڑی تھی-

اس کے سر کی کھوپڑی اتنی چھوٹی تھی کہ کسی چھ سال کے بچے کی معلوم ہوتی تھی- چھبیس برس کی عمر میں اس کی کھوپڑی بڑھنی شروع ہوئی اور وہ بھی طرح طرح کی جراحی کے بعد اسے درد سر کے شدید دورے پڑا کرتے تھے-

Marfat.com

وہ بڑی انا پسند اور ضدی تھی اور کسی ایسے خط کو ہرگز نہ کھولتی جس پر "ہر اپیریل میجسٹی" نہ لکھا ہوتا۔ اس نے ایک دفعہ ایک شخص کا ناک کاٹ دیا تھا' کیونکہ وہ شراب پی کر خود کو اس کا شوہر کہنے لگا تھا۔

عمر بڑھنے کے ساتھ کیتھرین فربہ اندام ہوتی گئی۔ اتنی فربہ اندام کہ اس کے پاؤں کا بوجھ اٹھانے سے قاصر ہو گئے۔ تب اسے پہیوں والی کرسی استعمال کرنی پڑی تھی۔

اگرچہ وہ بے حد موٹی اور بڈھی کھوسٹ ہو گئی تھی' لیکن پھر بھی جب بہار کی ہوا چلتی تو اس کے دل میں محبت کے سوئے ہوئے جذبات متحرک ہونے لگتے' اس عمر میں وہ ایک دفعہ پھر محبت کے دام میں گرفتار ہو گئی مگر اس دفعہ اس کا محبوب ایک ایسا لڑکا تھا جو اس کے پوتے کی عمر کا ہو گا۔ اپنی زندگی کے آخری سالوں میں اس ناپسند' مغرور اور ضدی خاتون نے واقعی ایک زار کی طرح حکومت کی۔ وہ عظیم ہو نہ ہو' زبردست ضرور تھی۔

○

Marfat.com

گرینڈ ڈچز ماری

زندگی میں اس کی بڑی خواہش یہ تھی کہ ریشمی جرابیں پہنے' یہی خواہش پوری کرنے کے لئے اس نے شادی کی۔

زیادہ عرصہ نہیں گزرا کہ مجھے روس کی ایک شہزادی کے ہاں مہمان بن کر جانے کا اتفاق ہوا' اس کا نام ہے گرینڈ ڈچز ماری۔ اس کا چچا الیگزینڈر سوم زار روس تھا اور اس کا چچا زاد بھائی نکولاس دوم روس کا آخری زار تھا۔ اس کی سہیلیاں زار روس کی بیٹیاں تھیں۔ مغرب میں میرے خیال کے مطابق گرینڈ ڈچز ماری سب سے مشہور شاہی شخصیت ہے۔

اسے ملنے سے پہلے میرے ذہن میں اس کے متعلق طرح طرح کے خیالات آیا کرتے تھے' وہ کس قسم کی ہو گی؟ کیا وہ خوبصورت اور پر کشش شخصیت کی مالک ہو گی؟ کیا اس کا طرز سلوک دوستانہ ہو گا' کیا وہ مساوات کی حامی ہو گی؟ یا پھر کہیں وہ بڑی سرد مہر اور تنہائی پسند تو نہ ہو گی۔

جب میں اس سے ملا تو وہ بڑی مروت سے پیش آئی' اس کی شخصیت نے مجھے بڑا متاثر کیا۔

اس نے مجھے اپنے متعلق حیرت انگیز باتیں بتائیں۔ اب اس کی عمر ساٹھ برس کے لگ بھگ ہے۔ اس نے مجھے بتایا کہ زندگی کے ابتدائی بیس برسوں میں وہ بڑی شرمیلی اور عجز پسند ہوتی تھی۔ وہ ایک سخت قسم کے احساس کمتری کا شکار تھی۔

وہ ایک ایسے خاندان کی چشم و چراغ تھی جس نے تین سو برس تک روس پر حکومت کی تھی۔ بچپن ہی میں وہ اس قدر اہم سمجھی جاتی تھی کہ شام کے وقت وہ سونے کی بنی ہوئی گاڑی میں بیٹھ کر سیر کرنے جایا کرتی۔ اس کے چاروں طرف سپاہیوں کا کڑا پہرہ ہوتا تھا' اس کے علاوہ وہ اس قدر مشہور تھی کہ جب اس نے محل سے نکلنا ہوتا تھا تو لوگ اسے دیکھنے کے لئے کئی کئی گھنٹے پہلے ہی بازاروں میں قطار باندھ کر کھڑے ہو جاتے تھے' اس کے باوجود وہ احساس کمتری کا شکار تھی! یقین نہیں آتا!

Marfat.com

اس چیز کا تعلق اس کی بچپن کی تربیت سے بہت گہرا ہے' اسے ماں کی محبت کا علم ہی نہ تھا' کیونکہ ابھی وہ ڈیڑھ برس کی ہوئی تھی کہ اس کی والدہ فوت ہو گئی' اس کے والد نے دوسری شادی کر لی- اس دفعہ اس نے ایک ایسی عورت سے شادی کی جس کی رگیں شاہی خون سے محروم تھیں- اس جرم کی سزا پر اسے روس سے جلا وطن کر دیا گیا اور اس کی ساری جائداد ضبط کر لی گئی- چھوٹی شہزادی کی زیادہ تر پرورش نرسوں اور استادوں وغیرہ نے کی-

چھ برس کی عمر میں بھی شہزادی کو اپنی مادری زبان روسی کا ایک لفظ بولنا نہ آتا تھا- اس وقت تک اسے فقط انگریزی سکھائی گئی تھی' لیکن یہ انگریزی بھی اچھی انگریزی نہ تھی-

اس کے اساتذہ نے اسے اس مرتبے اور عظمت سے بے خبر رکھا- جو شاہی فرد ہونے کی حیثیت سے اس کا بنیادی حق ہے' اس کے علاوہ چونکہ شاہی خاندان کے پہلے بچے اپنی تربیت وغیرہ کے سبب بے حد گستاخ اور مغرور واقع ہوئے تھے- لہذا ڈچز ماری کے اساتذہ کو خاص طور پر ہدایات کی گئیں کہ اس کے اندر عجز اور انکساری بھری جائے' لہذا یہ کام انہوں نے بڑی خوبی سے انجام دیا-

اس نے مجھے بتایا کہ اس کی تربیت بڑے سادہ ماحول میں ہوئی تھی- اگر وہ روٹی کا چھوٹا سا ٹکڑا بھی ضائع کر دیتی تو اسے سزا دی جاتی' جہاں سے وہ کوئی چیز اٹھاتی اسے وہیں رکھنی پڑتی' اس کی غذا بھی بے حد سادہ تھی- اکثر اوقات اسے فقط دودھ اور ڈبل روٹی کھانے کے لئے ملتے تھے-

اس کا لباس بھی بڑا سادہ ہوتا تھا' اگرچہ وہ اطلس اور کمخواب کے درمیان رہتی' لیکن اسے ہمیشہ سوتی کپڑے نصیب ہوئے' اس کے دستانے اور جرابیں بھی سوتی ہوتی تھیں- شادی کے وقت تک وہ سوتی لباس پہنتی رہی- اس نے مجھے بتایا کہ وہ شادی کرنے کی خواہشمند اس لئے بھی تھی کہ شادی کے بعد وہ ریشمی جرابیں پہن سکے گی-

بعد میں وہ اپنے چچا اور چچی کے ساتھ رہنے لگی- اس کی چچی اس سے بے حد حسد کرتی اور گھر میں اس کی موجودگی اس پر گراں گزرتی اگر وہ کھانے پر ایک منٹ بھی دیر سے آتی تو چچی اسے سزا دیتی اور پھر اگر وہ مہمانوں کے ساتھ دلچسپ گفتگو کرنے میں ناکام رہتی تو اس پر بھی اس کی چچی اسے سزا دیتی' اس کی چچی اسے اپنی موجودگی میں کبھی ہنسنے نہ دیتی کیونکہ بچوں کی ہنسی اس کی نازک طبیعت کو ناگوار تھی-

Marfat.com

شہزادی نے مجھے بتایا کہ وہ حقیقی گھر کے آرام سے ہمیشہ محروم رہی۔ اس کا بچپن بڑا الگ تھلگ اور مایوسی کے عالم میں گزرا' فقط اسے اپنی دادی ملکہ اولگا آف گریس سے مادری محبت ملا کرتی تھی۔ مادری محبت کی اس قدر بھوکی ہوتی تھی کہ وہ اپنی دادی کے بازوؤں سے چمٹ جایا کرتی۔

جب وہ سولہ برس کی تھی تو اسے منڈولن (ایک ساز) بجانے کا شوق چرایا' لیکن اس کے پاس اتنے پیسے نہ تھے کہ منڈولن خرید سکے اور اتنی ہمت نہ تھی کہ چچا سے اس کی فرمائش کر سکے' وہ ڈرتی تھی کہ چچا انکار کر دے گا' آخر اس نے اپنے استاد کے ذریعے چچا کو کہلوا بھیجا۔ چچا نے "ہاں" کر دی۔ یہ ہاں اس کی زندگی کا آخری لفظ تھا کیونکہ چند سیکنڈ بعد ایک دہشت پسند نے بم پھینک کر اس کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے۔

○

Marfat.com

نظام حیدر آباد

وہ امریکہ کے راک فیلر اور مورگان جیسے دولتمندوں کو خرید سکتا ہے
لیکن اپنی محبوب بیوی کو فقط دو سو روپے ماہوار بطور جیب خرچ دیتا ہے۔

دنیا کا امیر ترین شخص انگلیوں سے کھانا کھاتا ہے' وہ نہ تو چاقو نہ ہی کانٹا اور نہ ہی چمچہ استعمال کرتا ہے۔

یہاں میرا اشارہ نہ تو مسٹر مورگان' نہ ہی مسٹر راک فیلر اور نہ ہی مسٹر فورڈ کی طرف ہے۔

دنیا کے اس امیر ترین انسان نے کبھی سٹہ نہیں کھیلا۔ اس نے وال سٹریٹ کی شکل تک نہیں دیکھی۔ بہت سے لوگوں نے اس کا نام بھی نہ سنا ہو گا۔

اس کا نام نظام عثمان علی خاں بہادر فتح جنگ آصف جاہ ہے۔ لیکن اسے عموماً نظام آف حیدر آباد کہا جاتا ہے' وہ ان مغل شہنشاہوں کا جانشین ہے جو صدیاں ہوئیں درہ خیبر کے راستے ہندوستان پر حملہ آور ہوئے اور یہاں سینکڑوں برس حکومت کرتے رہے (یہ مضمون نظام حیدر آباد کے زوال سے بہت پہلے کا ہے)

اس کی اتنی ساری دولت اس کے کس کام آتی ہے؟ مجھے تو اس کا کوئی مصرف نظر نہیں آتا۔ ہاں فقط ایک مصرف ہے۔ اس کا ایک حرم ہے جس میں پانچ سو کے قریب عورتیں رہتی ہیں۔ ان عورتوں میں سے فقط ایک عورت ان کی منظور نظر ہے جو رولز رائس کار میں گھومتی ہے۔ اس کار کے اندر پردے لگے ہوئے ہیں تاکہ عوام اس کے شاہی چہرے کو نہ دیکھ سکیں۔ وہ حرم کی دوسری خوبصورت عورتوں پر زیادہ توجہ نہیں دیتا۔ میں نے "خوبصورت عورتیں" کہا تھا' یہ ذرا مبالغہ آرائی ہے' کیونکہ یہ حرم پچیس برس پہلے نظام کو اپنے باپ سے ورثے میں ملا تھا۔ ان میں سے بہت سی عورتیں ادھیڑ عمر کی یا معمر ہو چکی ہیں۔ اس کے باوجود نظام اس قدر سخت گیر ہے کہ انہیں حرم سے باہر نکلنے کی اجازت

Marfat.com

نہیں دیتا۔

دنیا کا امیر ترین انسان ہر روز پو پھٹنے سے پہلے اٹھتا ہے' وہ گھڑی کا الارم لگا کر نہیں سوتا' اسے جگانے کے لئے موسیقار آتے ہیں جو اس کی خواب گاہ میں داخل ہو کر سازندوں پر مدھم سروں میں صبح کی راگنیاں بجاتے ہیں۔ مسلمان ہونے کے باعث وہ لور کے تڑکے اٹھ بیٹھتا ہے اور سب سے پہلے فجر کی نماز ادا کرتا ہے۔

اس کے چار خادم ایسے ہیں جن کا فقط یہی کام ہے کہ اسے لباس پہنائیں۔ ہر خادم شاہی جسم کے حصے حصے کو لباس پہناتا ہے۔ مثلاً ایک خادم فقط پاجامہ پہنانے میں ماہر ہے' اسے کوئی پتہ نہیں کہ شاہی قمیض کیسے پہنائی جاتی ہے۔ پاجامہ پہنانے کے بعد وہ سارا دن بیکار بیٹھا یہ انتظار کرتا رہتا ہے کہ کب دوسرا دن آئے اور وہ دوبارہ پاجامہ پہنائے۔

اگرچہ وہ ہر روز عطر سے نہاتا ہے لیکن کبھی صابن استعمال نہیں کرتا' صابن کی جگہ وہ ایک خاص قسم کا سفوف استعمال کرتا ہے۔ وہ صبح جاگنے کے چار گھنٹے بعد ناشتہ کرتا ہے۔ وہ نہ تو چائے اور نہ ہی کافی پیتا ہے' ان کی جگہ دودھ یا سادہ پانی پیتا ہے۔

وہ سونے کی طشتریوں میں ناشتہ کرتا ہے۔ بارہ مختلف قسم کے شوربے' مختلف طریقوں سے تیار کئے ہوئے انڈے اور بہت سے پھل ہوتے ہیں۔ جن برتنوں میں وہ ناشتہ یا کھانا کھاتا ہے ان کا شمار دنیا کے نوادر میں ہوتا ہے۔

وہ عموماً سفید ریشمی شیروانی پہنتا ہے جس پر طلائی کام ہوا ہوتا ہے۔ گلے میں موتیوں اور جواہرات کے ہار ہوتے ہیں۔ لیکن جب وہ عوام کے سامنے آتا ہے تو اس کا لباس بڑا سادہ ہوتا ہے۔

اگرچہ اس کا اپنا ایک خاص حجام ہے جس کا زندگی میں یہی فرض ہے کہ وہ نظام کے بالوں کی دیکھ بھال کرے' اس کے باوجود نظام کے بال اکثر بغیر شانہ کے ہوتے ہیں اور اس کی ڈاڑھی بڑھی ہوتی ہے۔

نظام آف حیدر آباد کے پاس سونے کی بنی ہوئی کرسیاں' سونے کی گاڑیاں اور توپیں ہیں۔ لیکن ان طلائی توپوں کو وہ چلا نہیں سکتا کیونکہ وہ بہت نازک ہیں مگر دیکھنے والے ان سے بہت متاثر ہوتے ہیں۔

نظام نے یہ ساری دولت کہاں سے حاصل کی ہے؟ ان میں سے زیادہ تر گولکنڈہ کی وادی سے آئی ہے جو دنیا میں ہیرے جواہرات کی سب سے مشہور کان ہے' نظام کے تمام

Marfat.com

ہیرے جواہرات اسی کان سے نکلے ہیں۔ مشہور زمانہ ہیرا کوہ نور بھی گولکنڈہ کی وادی کی پیداوار ہے جو آج کل ملکہ انگلستان کے تاج کی زینت ہے۔

اتنی کثیر دولت کے باوجود نظام بھی میری اور آپ کی طرح تھوڑے بہت پیسے جمع کرنے کا خواہاں رہتا ہے۔ مثلاً وہ بڑی شاندار دعوتیں دیتا ہے اور اپنے مہمانوں سے توقع رکھتا ہے کہ وہ اس کے لئے نقدی کی صورت میں تحائف لائیں۔ بعض اوقات وہ کھانے پر پانچ سو مہمان مدعو کرتا ہے۔ اگر ہر مہمان سے پچیس روپے لئے جائیں تو بات کہاں تک پہنچتی ہے۔

وہ خرید و فروخت کے لئے باقاعدہ طور پر بازار میں جاتا ہے اور ہوٹلوں سے مختلف قسم کے کھانے چکھتا ہے۔ جب کوئی کھانا اسے پسند آ جاتا ہے تو وہ اس کی بہت تعریف کرتا ہے' نتیجتاً ہوٹل کا مالک اس کھانے کی بہت سی مقدار نوکروں کے ہاتھ محل میں پہنچا دیتا ہے۔ بعض دفعہ وہ ان کھانوں کو ٹوکروں میں بند کر کے ان پر قیمت لکھ کر اپنے قریبی دوستوں کو بھیج دیتا ہے اور ان دوستوں کو یہ شاہی تحفے قیمتاً وصول کرنے پڑتے ہیں۔

پندرہ برس پہلے کی بات ہے کہ نظام نے اپنی نظموں کا مجموعہ شائع کرنے کا اعلان کیا تھا۔ اس مجموعے کی عام جلد کی قیمت پچاس روپے ہو گی اور شاہی جلد کی قیمت ڈھائی سو روپے' خیال ہے کہ یہ مجموعہ ہاتھوں ہاتھ لیا جائے گا' کیونکہ شاعر حکمران کی کتاب خریدنے سے کون انکار کر سکتا ہے۔

نظام بڑی عمدہ انگریزی بولتا ہے' ہاتھی پر سے شیروں کا شکار کرتا ہے۔ کانوں میں چھلے پہنتا ہے اور اپنی محبوب بیوی کو دو سو روپے ماہوار خرچ دیتا ہے اور ایسے پلنگ پر سوتا ہے جس میں سپرنگ نہیں ہیں۔

○

Marfat.com

نکولاس دوم

وہ دنیا کے چھٹے حصے کا مالک تھا لیکن اسے اس کی دولت کے ہمراہ ایک
گندے کمرے میں گولی سے اڑا دیا گیا۔

وہ یورپ بلکہ دنیا کے امیر ترین انسانوں میں سے تھا' جب وہ مرا تو اپنے پیچھے ایک کروڑ پونڈ مالیت کی زمین اور سولہ ہزار پونڈ کے ہیرے جواہرات چھوڑ گیا' اس کی ماہانہ آمدنی دو لاکھ پونڈ تھی' یعنی پانچ پونڈ فی سیکنڈ۔

اس کے باوجود 16- جولائی 1918ء کو اسے اور اس کے کنبے کو ایک ایسے تنگ و تاریک کمرے میں بند کر کے قتل کر دیا گیا جو تعفن اور مکڑیوں کے جالے سے اٹا ہوا تھا۔ اس کے اور اس کی بیوی بچوں کے قتل کی داستان تاریخ کا ایک انتہائی ڈرامائی قصہ ہے۔

اس شخص کا نام نکولاس دوم ہے۔ آخری زار روس جو تقریباً چوتھائی صدی تک زمین کے چھٹے حصے پر بڑی آہنی گرفت سے حکومت کرتا رہا۔ تین برس تک اس کی فوجیں شاہی فرمان کے تحت بے گناہ روسی عوام کے موت کے گھاٹ اتارتی رہیں۔ آخر 1917ء میں اس کی فوجوں نے اس کے خلاف بغاوت کر دی اور انہوں نے اپنے بھائی بندوں پر ہاتھ اٹھانے سے انکار کر دیا۔ چنانچہ 14- مئی 1917ء کو نصف شب سے کچھ دیر پہلے روسی فوج کے جرنیلوں کی ایک کمیٹی نکولاس دوم سے ملی اور اس سے کہا کہ وہ تخت سے معذول ہونے کا اعلان کر دے۔

یہ غیر متوقع جملہ سن کر اسے اس قدر صدمہ ہوا کہ خوف کے مارے اس کی رنگت سرسوں جیسی پیلی ہو گئی۔ یہ دیکھ کر جرنیل گھبرا گئے' انہیں یقین تھا کہ وہ ابھی غش کھا کر فرش پر گر پڑے گا۔

زار روس اپنے کمرے میں چلا گیا۔ لیکن اسے نیند کیسے آ سکتی تھی' لہٰذا اس نے باقی رات شیکسپئر کا عظیم ڈرامہ "جولیس سیزر" پڑھنے میں گزار دی۔

Marfat.com

دوسری صبح کوئی گیارہ بجے کے قریب اس نے عام پنسل سے تخت سے دستبرداری کی عبارت پر دستخط کر دیئے اور کہا "خدا کا شکر ہے' اب میں مرضی کے مطابق جو چاہوں گا کر سکوں گا' میں کریمیا میں اپنے گھر جاؤں گا اور وہاں پھول اگاؤں گا۔"

زار اور اس کے کنبے نے اپنی زندگی کے آخری چند ماہ یورال پہاڑوں کی ترائی میں ایک چھوٹے سے قصبے کے مضافات میں دو کمروں میں گزارے۔ انقلابیوں نے انہیں وہاں مقید کر رکھا تھا' اور وہ انہیں دہقانوں جیسا کھانا دیتے تھے' انہیں شکر' دودھ' کافی' مکھن' نمک کچھ بھی نہ دیا جاتا تھا۔ انہیں دن میں فقط دو مرتبہ موٹی سی کالی روٹی اور سبزیوں کا شوربہ دیا جاتا تھا۔

ان کمروں کے دریچے بند رہتے تھے اور انہیں باہر دیکھنے کی اجازت نہ تھی۔ ایک دن چھوٹی شہزادی انستاسیا نے تازہ ہوا کے لئے جو ایک دریچہ کھولا تو ایک سپاہی نے اس پر گولی چلا دی۔ انہیں ہر روز ایک چھوٹے سے باغیچے میں فقط پانچ منٹ کے لئے چہل قدمی کی اجازت دی جاتی تھی۔ ننھا شہزادہ زار وچ اتنا کمزور ہو گیا تھا کہ اس سے چلا پھرا نہ جاتا تھا' لہٰذا اس کا باپ اسے گود میں اٹھا لیا کرتا تھا۔

ان کے گھر کے گرد پہرہ دینے والے سپاہی اکثر نیم برہنگی کی حالت میں مکان کے آس پاس گھوما کرتے اور زار کی چھوٹی شہزادیوں پر فحش فقرے کستے اور رات کو ان کھڑکیوں کے نیچے گندے گانے گاتے۔ ایک دن ایک سپاہی نے ملکہ کی ایک کتاب اور روپے چھین لئے اور بڑے حقارت آمیز لہجے میں کہنے لگا' اب تمہیں ان کی ضرورت نہیں رہی۔"

زار برگشتگی تقدیر سے اس قدر حواس کھو چکا تھا کہ اس نے اس واقعہ کی کسی سے شکایت نہ کی' لیکن اس کی بیوی بڑے دھڑلے کی عورت تھی۔ اس نے بڑی شد و مد سے خدا کے حضور میں شکایت کی کہ وہ ان ظالموں سے اس کا انتقام لے۔

آخر 16- جولائی 1916ء کو نصف شب سے تھوڑی دیر پہلے پہرے دار فوج کے کپتان نے زار اور اس کے کنبے کو نیند سے بیدار کیا اور ان سے کہا کہ قصبے میں فسادات شروع ہو گئے ہیں' لہٰذا وہ جلدی سے کپڑے پہن کر نیچے تہ خانے میں چلے جائیں اور وہاں اس موٹر کار کا انتظار کریں جو انہیں ایک محفوظ جگہ لے جائے گی۔ جب وہ لوگ اس تہہ خانے میں پہنچے تو خوف کے مارے ان کی ٹانگوں میں کھڑے رہنے کی سکت نہ رہی تھی۔

دوسرے لمحے سپاہی بندوقیں اور سنگین تانے تہہ خانے میں داخل ہوئے اور چلا کر کہنے لگے، "تمہارے حامیوں نے تمہیں بچانے کی کوشش کی تھی مگر وہ کامیاب نہیں ہو سکے، اب ہم تمہیں ہلاک کرنے آئے ہیں۔"

دوسرے لمحے ایک سپاہی نے زار پر گولی چلائی جو اس کے دل میں گزر گئی، وہ وہیں ٹھنڈا ہو گیا۔ اس کے بعد سپاہیوں نے ملکہ اور شہزادیوں پر گولیاں چلانی شروع کر دیں۔ وہ اس قدر مشتعل تھے کہ ان کے نشانے بار بار خطا ہو رہے تھے۔ بیچاری عورتیں چیختی چلاتی ادھر ادھر بھاگ رہی تھیں اور ایک دوسرے کے پیچھے چھپ رہی تھیں اور تکیوں کو اور ڈھال استعمال کر رہی تھیں۔

لیکن سپاہیوں نے ان سب کو ہلاک کر دیا۔ چند منٹ بعد کمرے میں فقط ایک کتے کے بھونکنے کی آواز سنائی دے رہی تھی، جو اپنی مالکہ کو تلاش کر رہا تھا۔ ایک سپاہی نے کتے کو بھی اپنی سنگین میں پرو لیا۔ پھر سپاہیوں نے شاہی لاشوں پر پٹرول چھڑکا اور انہیں آگ لگا دی اور سوختہ لاشوں کو ایک گڑھے میں پھینک دیا۔

چند روز بعد وہی سپاہی اس تہہ خانے میں گئے، وہاں انہیں اندھیرے میں کئی ہیرے چمکتے ہوئے ملے۔ یہ ہیرے شہزادیوں نے اپنے ملبوسات میں چھپا رکھے تھے۔

کہا جاتا ہے کہ یہ قتل روس کی نئی حکومت کے کسی حکم کے تحت نہ کیا گیا تھا، سوویت حکومت نے اس ظلم کے عوض کئی سپاہی گرفتار کیے۔ ان پر کھلی عدالت میں مقدمہ چلایا اور ان میں سے پانچ کو موت کا سزا وار ٹھہرایا، شاہی خاندان کا یہ قتل چند خون کے پیاسے انقلابیوں نے اپنی من مانی سے کیا تھا۔

روس کے شاہی افراد کی سوختہ لاشیں اب پیرس میں دفن ہیں۔ انہیں پیرس تک پہنچانے میں امریکی حکومت نے بڑی مدد دی ہوا یوں کہ جنوری 1920ء میں سائبیریا میں مقیم امریکی کونسل جنرل کو اس کے ایک دوست نے ایک بڑا سا صندوق دیا اور اس سے درخواست کی کہ وہ اسے ہاربن میں مقیم برطانوی سفیر تک پہنچا دے۔ امریکی کونسل جنرل کسی کام سے ہاربن جا رہا تھا۔ لہٰذا اس نے ٹرین میں اپنی نشست کے ساتھ ہی وہ صندوق رکھ لیا، چونکہ سردی بلا کی تھی، لہٰذا وہ اپنے پاؤں گرم کرنے کی خاطر انہیں زور زور سے اس صندوق کے ساتھ مارتا۔ جب وہ ہاربن پہنچا تو برطانوی سفیر سے یہ جان کر اسے بڑی حیرت

Marfat.com

ہوئی کہ اس صندوق میں زار اور اس کے خاندان کے افراد کی بچی کھچی ہڈیاں تھیں۔ وہ صندوق پہلے شنگھائی اور وہاں سے پیرس بھیج دیا گیا۔ جب وہ صندوق پیرس میں کھولا گیا تو دوسری چیزوں کے علاوہ اس میں ملکہ روس کی ایک انگلی بھی تھی، جس میں شادی کی انگوٹھی ابھی تک چمک رہی تھی۔

زار کو شیکسپئر کے مطالعے کا بہت شوق تھا اور اس نے یقیناً یہ الفاظ بھی پڑھے ہوں گے۔ جو لوگ اونچی جگہ پر کھڑے ہوتے ہیں انہیں گرانے کے لئے کئی تند ہوائیں ہوتی ہیں، اور اگر وہ گر پڑیں تو ان کا جسم کرچیوں کی طرح بکھر جاتا ہے۔

○

Marfat.com

خواتین

ایمی سمپل مکفرسن

وہ بھوک اور خستہ حالی کے عالم میں لاس اینجلز میں داخل ہوئی لیکن
ڈیڑھ سال میں دو لاکھ پونڈ کمانے میں کامیاب ہو گئی۔

دنیا کی تاریخ میں کسی عورت کو اخبارات میں اس قدر شہرت حاصل نہیں ہوئی جتنی کہ ایمی سمپل مکفرسن کو حاصل ہوئی ہے اگر اس کے متعلق کسی اخبار میں کوئی غیر ضروری خبر میں شائع ہو جاتی تو ہزاروں لوگ وہ اخبار دیکھنے دوڑ پڑتے' چند برس ہوئے لاس اینجلز کے ایک اخبار میں شائع ہوئی کہ اس نے اپنے بالوں کا رنگ بدل دیا ہے۔ اس روز وہ اخبار اپنی اصلی تعداد اشاعت سے تین گنا زیادہ فروخت ہوا۔

ایمی کی داستان حیات الف لیلہ کی کسی داستان سے کم نہیں' آج سے ستر برس پہلے وہ کینیڈا کے ایک چھوٹے سے گاؤں میں پیدا ہوئی۔ تعلیم حاصل کرنے کے لئے اسے ہر روز پانچ میل کا سفر طے کرنا پڑتا' رات کے وقت وہ گھر کے تمام برتن صاف کرتی اور دونوں وقت گائے کا دودھ دوہتی۔

موسم خزاں کے ایک دن کا ذکر ہے کہ ایمی کے گاؤں میں ایک مبلغ آیا جس کا نام رابرٹ سمپل تھا۔ اس کی تبلیغ میں بڑا اثر تھا جس سے سارے گاؤں والے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ ایمی کی عمر اس وقت فقط سترہ برس کی تھی۔ اس نے اپنا مذہب تبدیل کر لیا' اور اس پادری کے ساتھ شادی کر کے چین چلی گئی۔

دو برس بعد چین میں اس کے شوہر کا انتقال ہو گیا اور وہ ایمی کو مفلس و بے سہارا چھوڑ گیا۔ ان کے ہاں ایک بچہ بھی پیدا ہو چکا تھا۔ اس وقت ایمی کی عمر انیس برس تھی۔ اس نے اپنا اثاثہ جمع کیا اور بچے کے ہمراہ نیویارک چل پڑی۔ وہاں پہنچ کر اس نے رابرٹ مکفرسن نامی ایک دوکان دار سے شادی کر لی لیکن ان کی ازدواجی زندگی ہمواری سے بسر نہ ہو سکی۔ چھ سال بعد اس نے مکفرسن کو طلاق دے دی اور وہ اپنے پہلے اور دوسرے بچے کو لے کر امریکہ کے مغرب کی طرف چل پڑی۔ اس کے پاس ایک ٹوٹی پھوٹی کار تھی۔ اب اس کے اندر مذہبی تبلیغ کا جذبہ جاگ اٹھا تھا۔ وہ راستے میں چھوٹے قصبوں میں ٹھہرتی'

لوگوں کو خدا کی راہ پر چلنے کی تلقین کرتی اور گنہگاروں سے کہتی کہ وہ خدا کی ذات سے اپنے گناہوں کی معافی مانگیں۔

جب کبھی راستے میں اس کی کار کسی گڑھے میں پھنس جاتی تو اسے وہ رات کار ہی میں بسر کرنا پڑتی۔ بعض اوقات اسے اور اس کے بچوں کو بھوکا رہنا پڑتا۔ ایک دفعہ وہ تینوں سردی سے منجمد ہو چلے تھے۔

آخر ایک شام جب کہ شفق پھولی ہوئی تھی' یہ حیرت ناک عورت لاس اینجلز کے شہر میں داخل ہوئی' یہیں سے اس کا ناقابل یقین مستقبل شروع ہوتا ہے' اس کا وہاں کوئی دوست' کوئی مددگار نہ تھا۔ فقط دو بھوکے بچے' ایک ٹوٹی پھوٹی کار اور بیس پاؤنڈ صرف یہی کچھ اس کا سارا سرمایہ تھا۔ اس کے باوجود اس نے اگلے اٹھارہ ماہ کے اندر دو لاکھ پاؤنڈ کی جائداد بنائی اور کیلی فورنیا میں وہ سب سے زیادہ مشہور عورت بن گئی۔

اس نے بڑے جوش و خروش سے مذہبی تبلیغ شروع کر دی۔ وہ لوگوں سے کہتی کہ خدا کی بادشاہت بالکل قریب ہے۔ لوگ ہجوم در ہجوم اس کی باتیں سننے آتے۔ اس کے وعظ کے وقت جنوبی کیلی فورنیا کا بڑے سے بڑا ہال سامعین سے بھر جاتا۔ آخر لوگوں کی اکثریت کے باعث وہ کھلے میدان میں وعظ کرنے لگی۔ مشتعل ہجوم کو قابو میں رکھنے کے لئے پولیس کی مدد درکار ہوتی۔

ایمی کا وعظ سن کر لاس اینجلز کے لوگ دیوانے ہو گئے۔ اس سے پہلے اس شہر میں کبھی ایسا ہیجان پیدا نہ ہوا تھا۔ تھوڑے ہی عرصے میں اس کے معتقدوں نے تین لاکھ پونڈ خرچ کر کے اسے ایک خوبصورت کلیسا بنا دیا اور یہ کلیسا اس کی ملکیت قرار دے دیا۔ اس کلیسا میں لوگ ہزاروں کی تعداد میں اس کا وعظ سننے آتے' جن لوگوں کو ہال میں جگہ نہ ملتی' وہ باہر دروازے کے قریب کھڑے رہتے۔ اس کی پراسرار شخصیت کے طلسم کے زیر اثر گنہگار اس کے سامنے اپنے گناہوں کی معافی مانگتے' اپاہج لوگ اس کے پاس آتے' وہ ان کے لئے دعا کرتی اور وہ تندرست ہو جاتے۔ میں نے وہ کمرہ خود دیکھا ہے جن میں ان اپاہجوں کی کرسیاں اور بیساکھیاں پڑی تھیں جن کے سہارے وہ وہاں تک آتے تھے اور وہاں سے تندرست ہو کر انہیں وہیں چھوڑ جاتے تھے۔

18- مئی 1926ء کی ایک دوپہر کا ذکر ہے کہ ایمی دوپہر کے وقت نہانے کی غرض سے سمندر کے ساحل پر گئی۔ وہ سمندر میں تیر رہی تھی کہ اچانک وہاں سے غائب ہو گئی۔ اس خبر سے کیلی فورنیا میں ایک طوفان برپا ہو گیا۔ اس کے معتقد اور مداح ساحل پر گئے' وہاں

Marfat.com

انہوں نے ایمی کی فرضی قبر بنائی اور وہ تیس دن اور تیس راتیں بلا توقف اس کی قبر پر روتے اور مذہبی گیت گاتے رہے۔ ماہی گیروں نے اس کی نعش کی تلاش میں سمندر کنگھال مارا۔ بڑے بڑے ماہر غوطہ زن بلائے گئے مگر سب بے سود۔ ایمی کی معتقد ایک لڑکی نے سمندر میں کود کر جان دے دی۔ باقی لوگوں کو سمندر میں ڈوبنے سے بچانے کے لئے حکومت نے وہاں پہرہ لگا دیا۔ ایسا مذہبی جنون پہلے وہاں دیکھنے میں نہ آیا تھا۔ دنیا بھر کے اخباروں نے یہ خبر جلی حروف میں شائع کی۔ اس کے معتقدوں نے اعلان کر دیا کہ جو شخص ایمی کو زندہ یا مردہ لائے گا اسے پانچ ہزار پونڈ انعام دیا جائے گا۔

آخر تیس دن غائب رہنے کے بعد ایمی میکسیکو میں ایک گاؤں کے قریب دکھائی دی۔

یہ سارا عرصہ وہ کہاں رہی تھی۔ اس نے بتایا کہ اسے قید میں رکھا گیا تھا۔ جب وہ سمندر پر نہانے کے لئے گئی تو ایک عورت اس کے پاس آئی اور کہنے لگی کہ اس کا بچہ بستر مرگ پر پڑا ہے' لہٰذا وہ چل کر اس کے لئے دعا کرے۔ ایمی اس کے ساتھ چلی گئی' وہاں سے اسے اغوا کر لیا گیا۔ اسے کلورو فارم سونگھا کر کہیں سے کہیں پہنچا دیا گیا۔ جب اسے ہوش آیا تو اس نے دیکھا کہ وہ ایک صحرا کے اندر ایک چھوٹے سے کمرے میں محبوس ہے۔ وہاں اسے اکیس دن تک رکھا گیا' پھر وہ ایک رات وہاں سے بھاگنے میں کامیاب ہو گئی۔ وہ چار پانچ دن تپتی ہوئی ریت پر ننگے پاؤں بھاگتی رہی۔

بہت سے لوگوں نے اس سنسنی خیز کہانی پر یقین کرنے سے انکار کر دیا' ان کا کہنا تھا کہ اگر وہ تپتی ہوئی ریت پر چلتی رہی تھی۔ تو اس کے پاؤں چھالوں سے محفوظ کیونکر تھے اور اس کا چہرہ دھوپ کی تمازت سے سانولا کیوں نہ ہو گیا تھا۔ اس کا لباس بالکل صحیح حالت میں تھا اور اس کے بال شانہ کئے ہوئے تھے۔ اس کے علاوہ صحرا میں اتنا سفر کرنے کے باوجود اسے پیاس بھی نہ لگی تھی۔

اسے عدالت کے کٹہرے میں لایا گیا۔ کیلی فورنیا کے بہترین وکیلوں نے اس پر جرح کی اور اسے طرح طرح کے سوالات سے تنگ کیا۔ لیکن کوئی اس کی کہانی کو جھٹلا نہ سکا۔

بعض لوگوں نے اس کا مذاق اڑایا' بعض کو اس سے ہمدردی ہوئی' لیکن ایک بات اس کے دوست اور دشمن بھی تسلیم کرتے ہیں کہ ایمی نے بہت سا نیک کام کیا ہے اور وہ بیسویں صدی کی ایک حیرت انگیز شخصیت تھی۔

○

Marfat.com

جوزفین

وہ عام خط و خال کی مالک تھی اس کے باوجود اس نے عظیم نپولین کو اپنے عشق میں اندھا کر دیا۔

یہ ایک غریب لڑکی کی کہانی ہے جو جزائر غرب الہند میں ماہی گیروں کی ایک بستی میں پیدا ہوئی جو کھانڈ (چینی) بنانے والے ایک کارخانے کے اوپر تنگ و تاریک اور گندے کمروں میں رہتی تھی۔ یہ اس لڑکی کی کہانی ہے جس نے تاریخ کے ایک عظیم ترین شخص سے شادی کی اس کا نام "ماری جوزف روز تاشر لاپیکروی" تھا مگر اسے عموماً "جوزفین" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

جوزفین نپولین سے تین برس بڑی تھی۔ جب وہ پہلی مرتبہ ملے تو جوزفین تیس برس اور نپولین ستائیس برس کا تھا۔ وہ خوبصورت نہ تھی' اس کے دانت خراب تھے اور اس کے دو بچے بھی تھے اور وہ بے حد مقروض تھی۔ اس میں کئی خامیاں تھیں۔ لیکن اسے ایک فن آتا تھا' یعنی وہ جانتی تھی کہ مردوں کو کیسے قابو میں رکھا جا سکتا ہے۔ وہ بیوہ تھی اور اسے ازدواجی زندگی کا گہرا تجربہ تھا۔

جب انقلاب فرانس میں اس کا پہلا شوہر مارا گیا تو وہ بے یار و مددگار رہ گئی۔ تب اس نے وہی کچھ کیا جو ایک عقلمند بیوہ کرتی ہے۔ وہ ایک شوہر کی تلاش میں رہنے لگی۔ اس کی سہیلیوں میں سے ایک نے نپولین کے متعلق بتایا۔ وہ اس وقت تک اتنا مشہور نہ ہوا تھا' نہ ہی اس کے پاس روپیہ پیسہ تھا۔ اصل میں وہ ایک لڑائی سے تازہ تازہ لوٹا تھا اور اس کے سر میں ایک گہری چوٹ آئی تھی جس کے باعث اس نے اپنا سر منڈوا رکھا تھا۔

ایک دفعہ جوزفین نے نپولین کو دور سے دیکھا مگر اسے کچھ اتنا اچھا نہ لگا' لیکن اس کی سہیلی نے اسے بتایا کہ وہ جلد ہی بڑا آدمی بننے والا ہے۔ لہٰذا جوزفین اس سے ملنے کی تجویز سوچنے لگی۔ آخر اسے ایک عمدہ طریقہ سوجھا۔ اس نے اپنے بڑے بیٹے کو جس کی عمر اس وقت بارہ برس تھی' نپولین سے یہ پوچھنے کے لئے بھیجا کہ کیا اس کے پاس اس کے ... کے

Marfat.com

کے) مرحوم باپ کی تلوار ہے' ظاہر ہے نپولین نے ہاں میں جواب دیا۔ دوسرے دن جوزفین بن سنور کر مگر آنکھوں میں آنسو لئے نپولین کا شکریہ ادا کرنے گئی۔

نپولین جوزفین کی شخصیت اور اس کے غیر معمولی حسن سلوک سے بڑا متاثر ہوا' اسے احساس ہو گیا کہ جوزفین تہذیبی نقطہ نظر سے اس سے بلند سطح پر کھڑی ہے۔ لہٰذا جب جوزفین نے اسے اپنے یہاں چائے پر مدعو کیا تو وہ خوشی سے پھولا نہ سمایا اور جب وہ اس کے گھر چائے پینے آیا تو جوزفین نے اسے بتایا کہ وہ تاریخ کا ایک مشہور ترین جرنیل بننے والا ہے' تین ماہ بعد ان کی منگنی ہو گئی۔

نپولین وقت کا بے حد پابند تھا' وہ کہا کرتا تھا' "وقت ہی سب کچھ ہے۔" ایک دفعہ اس نے کہا تھا' "میں جنگ ہار سکتا ہوں لیکن وقت ضائع نہیں کر سکتا۔" اس کے باوجود وہ اپنی شادی کے موقع پر دو گھنٹے دیر سے آیا۔ پادری اس کے انتظار میں جمائی پر جمائی لینے لگا اور آخر تنگ آ کر سو گیا۔

اپنی شادی کے اڑتالیس گھنٹے بعد نپولین اٹلی میں ایک نئی جنگ لڑنے چلا گیا' اس کی فوج اتنی اچھی حالت میں نہ تھی' اس کے باوجود وہ اتنی زبردست جنگ لڑا کہ سارے یورپ میں ایک برقی رو دوڑ گئی۔ یورپ نے ایسی لڑائی گزشتہ ہزار سال میں نہ دیکھی تھی۔

اور سب سے حیران کن بات یہ ہے کہ میدان جنگ میں بھی نپولین کو اتنا وقت مل جاتا تھا کہ وہ ہر روز جوزفین کو ایک خط لکھ سکے اور پھر کس قسم کے خط! شدت جذبات سے لبریز 1933ء میں جوزفین کے نام نپولین کے آٹھ خط لندن میں نیلام عام پر چار ہزار پونڈ میں فروخت کئے گئے تھے' میں نے انہیں پڑھا ہے اور وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ وہ اس وقعت کے مستحق تھے اور آج بھی ہیں' یہاں ایک خط درج کر رہا ہوں۔

"میری پیاری محبوبہ جوزفین!

تم نے مجھے ایک ایسی محبت سے روشناس کرا دیا ہے جو میرے ہوش و حواس پر چھا گئی ہے۔ میں کچھ کھا نہیں سکتا' سو نہیں سکتا۔ مجھے اپنے دوستوں کی بھی پروا نہیں رہی۔ میں شہرت سے بے نیاز ہو گیا ہوں۔ اب میدان جنگ میں فقط اس لئے فتحیاب ہونے کی کوشش کرتا ہوں کہ تمہیں فتح سے خوشی ہوتی ہے۔ اگر یوں نہ ہوتا تو میں فوج کو میدان جنگ میں چھوڑ کر پیرس بھاگ آتا اور تمہارے قدموں سے لپٹ جاتا۔

تم نے میرے اندر ایک لامتناہی محبت بھر دی ہے' میں ہر وقت ایک وجدانی کیفیت میں

رہتا ہوں۔ کوئی ساعت ایسی نہیں گزرتی کہ میں تمہاری تصویر نہ دیکھتا ہوں اور اسے چومتا نہ ہوں۔"

یہ خط اس کے بہت سے خطوط سے قدرے کم جذباتی ہے۔ بہت سی عورتیں ایسے خطوط پر جان دینے کو تیار ہو جاتی ہیں لیکن جوزفین کو ان کی زیادہ پرواہ نہ تھی۔ وہ ایک دوسرے شخص سے عشق بازی میں مصروف تھی اور اس نے نپولین کے خطوط کا جواب دینے کی زحمت گوارا نہ کی تھی۔ اس کی اس حرکت پر نپولین شدت جذبات سے پاگل ہو جایا کرتا تھا۔

آخر وہ جوزفین کی بے اعتنائی سے تنگ آگیا' جب وہ مصر میں لڑ رہا تھا تو اس نے ایک خوبصورت لڑکی کو اپنے ساتھ چائے پینے پر مدعو کیا۔ یہ خبر پیرس میں جوزفین تک بھی پہنچ گئی اور جب نپولین فرانس سے واپس آیا تو جوزفین نے بڑا ہنگامہ برپا کیا جیسا کہ ایسے معاملات میں عورتیں کیا کرتی ہیں' دونوں ایک دوسرے سے خوب لڑے' آخر نپولین نے اسے کمرے میں بند کر دیا۔

اور پھر گھریلو الجھنیں بھی تھیں' جوزفین نپولین کی بہنوں سے زیادہ مہذب اور شائستہ تھی۔ لہٰذا وہ اس سے جلتی تھیں' جوزفین کی موجودگی میں وہ دبی دبی رہتیں اور اندر ہی اندر غصے سے کھولتی رہتیں۔ انہوں نے قسم کھالی کہ وہ جوزفین کو ایسا مزا چکھائیں گی کہ ساری زندگی یاد رکھے گی۔ انہوں نے اس کا مذاق اڑانا اور اسے بوڑھی عورت کہنا شروع کر دیا۔ وہ نپولین کو اکساتیں کہ وہ اس "بوڑھی بڑھیا" کو طلاق دے کر کسی جوان لڑکی سے شادی کرے۔

لیکن اپنی ہر سازش کے باوجود وہ نپولین کے دل میں جوزفین کی محبت کم نہ کر سکیں' کوئی بھی ایسا نہ کر سکتا تھا..... آخر اس نے جوزفین کو طلاق دینے کا خود ہی فیصلہ کر لیا اور یہ فیصلہ اس نے فقط ایک وجہ کے تحت کیا' اسے ایک ایسی بیوی کی ضرورت تھی جس کے بطن سے بیٹا پیدا ہو سکے۔ طلاق کے کاغذ پر دستخط کرتے وقت اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ اس کا دل بے حد افسردہ تھا۔ وہ تین دن تک اپنے محل میں گم سم بیٹھا رہا۔ نہ تو کسی سے بات کرتا اور نہ ہی کچھ کھاتا پیتا۔ بس خلائیں گھورتا رہتا۔ طلاق کے تھوڑے عرصے بعد نپولین نے آسٹریلیا میں میری لوئی سے شادی کر لی۔

اس شادی کا عجیب پہلو یہ ہے کہ آسٹریا کے دوسرے باشندوں کی طرح میری لوئی بھی

Marfat.com

نپولین سے نفرت کرتی تھی۔ وہ خدا سے دعا مانگتی رہتی کہ نپولین سے اس کی شادی نہ ہو۔ لیکن اس کا باپ سیاسی وجوہ کی بنا پر اس شادی پر مصر تھا۔ اس نے شادی تو کر لی مگر وہ نپولین کی رتی بھر پرواہ نہ کرتی اور جب نپولین کو جنگوں میں شکست ہونے لگی تو وہ اسے چھوڑ گئی اور اپنے بیٹے کو بھی اس سے نفرت کرنا سکھا دیا۔

نپولین کی پہلی اور آخری محبت جوزفین تھی، جب وہ مر گئی تو نپولین اس کی قبر پر گیا اور رو کر کہنے لگا۔

"میری پیاری جوزفین! کم از کم تم نے تو مجھے نہ چھوڑا تھا۔"

اس زمین پر نپولین کے منہ سے جو آخری لفظ نکلا تھا وہ جوزفین تھا۔

○

کیری نیشن

لوگوں نے اسے اس قدر زد و کوب کیا کہ اس کی ہڈیاں ٹوٹ گئیں
لیکن وہ اپنے نصب العین سے منحرف نہ ہوئی۔

21- جنوری 1901ء کا ذکر ہے کہ امریکی تاریخ کی سب سے زیادہ سنسنی انگیز خاتون امریکہ کی ریاست کنساس کے شہر وچیتا کی گلیوں میں غصے سے بھری ہوئی نکلی۔ اس کے لبوں پر یہ گیت تھا' "میسی جان بازو آگے بڑھتے چلو"' اس کے ہاتھ میں ایک کلہاڑی تھی۔ جب وہ جم برن کے شراب خانے کے قریب پہنچی تو وہ تیزی سے اس کے اندر داخل ہو گئی۔ شراب خانے کے اندر کھڑے ہو کر اس نے اپنی کلہاڑی ہوا میں لہرائی اور زور سے چلائی' "یہ خدا کا بازو ہے لوگو" میں تمہیں شراب خانے کے دوزخ سے بچانے آئی ہوں۔

شراب خانے کے اندر بیٹھے ہوئے لوگ افراتفری کے عالم میں باہر بھاگ گئے۔

شراب خانے کا نگران ایک میز کے نیچے چھپ گیا۔ کیری نیشن نے اپنے کلہاڑے سے شراب کی بوتلیں توڑنی شروع کر دیں۔ وہ بوتلوں کو پکڑتی اور دروازوں کے شیشوں پر مارتی۔ چند منٹ میں شراب خانہ ویران دکھائی دینے لگا جیسے وہاں بم گرا ہو۔

کیری نیشن جس نے شراب پینے کے خلاف اپنی مہم شروع کر دی تھی' اس کی اس مہم کی خبر تاروں کے ذریعے ساری دنیا میں پھیل گئی' اپنی اس جنگ کی بدولت وہ سترہ سال بعد امریکہ کے دستور میں شراب بندی کی دفعہ داخل کرا کے رہی۔

شراب خانوں کے خلاف یہ مہم شروع کرنے کے لئے کیری نیشن کے پاس ٹھوس وجوہ موجود تھیں۔ شراب نے اس کا گھر برباد کر دیا تھا۔ اس کا خاوند شراب نوشی کی وجہ سے مر گیا تھا اور اسے اور اس کے بچے کو مفلسی میں گرفتار چھوڑ گیا تھا۔ اس نے کنساس میں پہلے پہل تبلیغ کے ذریعے شراب خانے بند کرنے کی کوشش کی۔ وہ اپنا پرانا باجا لے کر کسی شراب خانے کے سامنے فٹ پاتھ پر بیٹھ جاتی اور مذہبی گیتوں کے ذریعے لوگوں کو شراب نہ پینے کا سبق دیتی۔ اس طریقے سے اس نے کچھ شراب خانے بند بھی کرائے' لیکن یہ طریقہ بڑا سست رو تھا۔ وہ اپنے ارادے کو جلد از جلد لباس عمل پہنانا چاہتی تھی۔ وہ ہنگامے کی

خواہشمند تھی۔ لہٰذا اس نے کلہاڑا پکڑ کر شراب کی بوتلیں توڑنی شروع کر دیں۔ وہ جانتی تھی کہ وہ قانون کی خلاف ورزی کر رہی ہے۔ لیکن اسے علم تھا کہ شراب خانے خدا کی بادشاہت میں ممنوع ہیں۔

کیا اسے کبھی ڈر نہ آیا تھا' بالکل نہیں۔ ایک مرتبہ تو شرابیوں نے مار مار کر اس کی ہڈیاں توڑ دیں تھیں اور اس کے بچنے کی کوئی امید نہ رہی تھی' لیکن تندرست ہونے پر اس نے پھر اپنی مہم شروع کر دی' اسے یقین تھا کہ وہ خدا کے حکم سے ایسا کر رہی ہے۔ وہ کہا کرتی تھی کہ خدا خود مجھ سے باتیں کیا کرتا ہے۔ جب وہ بائبل کھولتی تو وہ فرشتوں کے پروں کی پھڑپھڑاہٹ کو سنا کرتی تھی۔ اسے بائبل کا ہر لفظ روشن دکھائی دیتا تھا۔

اسے قید کرنے کا بھی کچھ فائدہ نہ ہوا' اس نے جیل میں قیدیوں کو بھی اپنے رنگ میں رنگ لیا اور جب وہاں سے رہا ہو کر آئی تو اپنا اثر پیچھے چھوڑ آئی۔ جب اسے عدالت میں لایا گیا تو اس نے اپنا وکیل خود بننے پر اصرار کیا۔ جب جج نے کنساس کے قوانین کا حوالہ دیا تو وہ کہنے لگی مجھ پر کنساس کے قوانین کے بجائے خدا کے قوانین کے تحت مقدمہ چلایا جائے۔" پھر وہ کھڑی ہو کر بلند آواز میں بائبل پڑھنے لگی۔ ایک دفعہ جج نے غصے میں آ کر اس سے کہا۔ "بیٹھ جاؤ۔" اس پر کیری نیشن بھی طیش میں آ گئی۔ وہ جج کو مخاطب ہو کر کہنے لگی۔ "میں آپ کی ماں کے برابر ہوں' اس طرح ہتک سے بلاتے وقت آپ کو کچھ تو خیال کرنا تھا۔"

اپنے پہلے خاوند کی وفات کے بعد کیری نیشن نے اپنا' اپنے بچے اور اپنی ساس کا پیٹ پالنے کے لئے ایک سکول میں نوکری کر لی' چار سال وہ ملازمت کرتی رہی' پھر اسے ملازمت سے جواب مل گیا۔ ایک دن اس نے خدا کے حضور میں جھک کر یوں دعا مانگی' "خدایا میں اپنے بچے اور اپنی ساس کی دیکھ بھال کرنے کے قابل نہیں۔ میں تم سے مدد کی خواہشمند ہوں اگر میرے لئے دوسری شادی صحیح راستہ ہے تو میں شادی کرنے کو تیار ہوں۔ میں نے اب تک کوئی مرد نہیں چنا۔ میری التجا ہے کہ تم اس سلسلے میں میری مدد کرو کیونکہ تم اچھے برے کی پہچان رکھتے ہو۔"

چند ماہ بعد اس نے ڈیوڈ نیشن سے شادی کر لی جو ایک اخبار کا ایڈیٹر ہونے کے ساتھ ساتھ ایک واعظ بھی تھا۔ کیری نیشن کا خیال تھا کہ اس کی دعا خدا نے سن لی ہے۔ شادی کے بعد ڈیوڈ نیشن ملازمت چھوڑ کر ایک گرجے کا پادری بن گیا۔ کیری کا خیال تھا کہ مذہب کے معاملے میں اس کی معلومات اپنے شوہر سے کہیں زیادہ تھیں۔ لہٰذا وہ ہر روز اپنے شوہر

Marfat.com

کے لئے مذہبی درس تیار کیا کرتی تھی۔ جب ڈیوڈ لوگوں کو درس دینے میں مشغول ہوتا تو کیری سب سے اگلی قطار میں بیٹھی اسے ہدایت دیتی جاتی کہ کن الفاظ پر اس نے آواز بلند کرنی ہے اور کس پر مدھم۔ جب وہ سمجھتی کہ اس کا شوہر کافی دیر تک درس دے چکا ہے تو وہ بلند آواز میں اس سے کہا کرتی' ڈیوڈ بس کرو' آج کے لئے اتنا درس کافی رہے گا۔ اگر وہ فوراً" اپنا درس بند نہ کرتا تو وہ منبر پر چڑھ جاتی اور اس کے ہاتھ سے بائبل لے کر بند کر دیتی' پھر وہ اس کا ہیٹ اس کے ہاتھ تھماتی اور اسے گھر جانے کے لئے کہتی۔

چند ماہ بعد کلیسا کے بورڈ نے ڈیوڈ سے کہا کہ وہ پادری کے عہدے سے مستعفی ہو جائے۔ ڈیوڈ نے خوشی خوشی ملازمت چھوڑ دی۔

چند سال بعد ڈیوڈ نے کیری سے طلاق حاصل کرنے کے لئے عدالت میں مقدمہ دائر کیا تو مقدمے کے فیصلے پر کیری نے کہا "ڈیوڈ بردباست ہے۔ میری اور اس کی رفتار زندگی میں بڑا فرق تھا۔ وہ میرا ساتھ دینے کے قابل نہ تھا۔"

ایک دفعہ میں نے کیری نیشن کو ایک گرجے میں دیکھا تھا' پادری نے کوئی بات کہی جو اسے پسند نہ آئی ہو۔ اس نے اس وقت پادری کے سامنے اپنے خیال کا اظہار کر دیا۔

ایک دوسرے موقعے پر وہ بازار میں جا رہی تھی کہ اسے ایک ایسا آدمی نظر آیا جس نے منہ میں سگار دبا رکھا تھا' وہ اس کے پاس گئی اور اس کے منہ میں سے سگار نکال کر کہنے لگی' "تمباکو پینے سے آدمی کے منہ سے کتوں جیسی بو آنے لگتی ہے۔" وہ نوجوان لڑکیوں کو خبردار کیا کرتی کہ جوان لڑکوں کے ساتھ گھومنے ہرگز نہ جایا کریں۔ اس نے زندگی میں اور بھی بہت سے اچھے کام کئے۔ اپنی زندگی کے آخری چند برس میں اس نے مذہب پر تقریریں کر کے بہت سا روپیہ جمع کیا جو اس نے غریبوں اور مسکینوں میں تقسیم کر دیا' اس نے کنساس میں ایک غریب خانہ بھی قائم کیا جو شرابیوں کی بیواؤں اور بچوں کے لئے مخصوص تھا۔

ریاست کنساس میں کیری نیشن نامی ایک سڑک بھی ہے جس کے دونوں طرف کلہاڑیوں کے نشان ہیں۔

○

Marfat.com

مسز ابراہام لنکن

اس نے غصے کے عالم میں کافی کی پیالی اپنے شوہر کے منہ پر دے ماری۔

تقریباً ایک سو پچیس برس پہلے سپرنگ فیلڈ (ریاست الی نوئے) میں امریکہ کے پہلے صدر ابراہام لنکن اور میری ٹوڈ کی شادی ہوئی۔ لیکن ان کی شادی اس قدر بد قسمت اور ناکام ثابت ہوئی کہ تاریخ میں اس کی مثال نہیں۔

لنکن نے اپنی شادی کے متعلق فقط ایک دفعہ ایک کاروباری خط کے آخر میں ایک سطر میں تبصرہ کیا۔ یہ خط اس نے اپنی شادی کے ایک ہفتہ بعد سیموئل مارشل کو لکھا تھا اور اب یہ خط شکاگو تاریخی سوسائٹی کی ملکیت ہے۔ اپنی شادی کے متعلق ابراہام لنکن نے یہ سطر لکھی تھی۔ "میری شادی کے سوا اور کوئی قابل ذکر خبر نہیں اور یہ معاملہ میرے لئے حیرت سے کم نہیں۔"

ولیم، ایچ، ہرڈن بیس برس تک وکالت میں لنکن کا شریک کار رہا۔ ہرڈن سے بڑھ کر لنکن کو کوئی اور شخص بہتر نہیں سمجھ سکتا۔ ہرڈن نے ایک دفعہ کہا تھا' اپنی ازدواجی زندگی میں اگر لنکن کسی روز خوش رہا ہو تو مجھے اس کا علم نہیں۔" ہرڈن ہی کا کہنا ہے کہ لنکن کی شادی ہی اس کی غمگینی کی سب سے بڑی وجہ تھی۔

ایک دفعہ لنکن کی سوانح عمری لکھنے کے لئے مجھے تین برس تک مختلف کتابوں کا مطالعہ کرنا پڑا۔ جہاں تک ممکن ہوا' میں نے اس کی گھریلو زندگی کا بغور مطالعہ کیا۔ اس مطالعے کے اختتام پر میں اس اذیت ناک نتیجے پر پہنچا کہ ابراہام لنکن کی زندگی کا سب سے بڑا المیہ اس کی شادی تھی۔

میری ٹوڈ سے شادی کے دوسرے دن ہی لنکن کو احساس ہو گیا کہ وہ دونوں زندگی کے ہر شعبے میں بالکل متضاد مزاج کے مالک ہیں اور کبھی خوش نہیں رہ سکتے۔ ان کی خواہشات تربیت اور ذوق بالکل مختلف تھے۔

مثلاً میری ٹوڈ بڑی نمائش پسند اور شیخی خور تھی۔ وہ پیرس والوں کے لہجے میں فرانسیسی بولتی' وہ ساری ریاست میں سب سے زیادہ پڑھی لکھی عورت تھی۔ لیکن اس کے برعکس

Marfat.com

لنکن اپنی ساری زندگی میں تین سو دن سے زیادہ سکول نہ گیا تھا۔

میری ٹوڈ کو اپنے خاندان پر بہت ناز تھا۔ اس کے رشتہ دار گورنر اور فوج میں جرنیل وغیرہ تھے اور اس کا چچا بحری فوج کا سیکرٹری تھا۔

لیکن لنکن کو اپنے خاندان اور شجرۂ خاندان پر کسی قسم کا فخر نہ تھا۔ سپرنگ فیلڈ کی رہائش کے دوران میں اس کا فقط ایک رشتہ دار اسے ملنے آیا اور جب وہ مل کر واپس گیا تو اس پر چوری کا الزام دیا گیا۔

میری ٹوڈ لباس اور نمائش کی بے حد شوقین تھی' اس کے برعکس لنکن کو اپنی شکل و شباہت میں ذرا دلچسپی نہ تھی۔ بعض اوقات تو اس کی پتلون کے پائینچے اس کے پاؤں میں لٹک رہے ہوتے اور وہ میلے چکٹ ہوتے تھے۔

میری ٹوڈ کو آداب محفل سے پوری واقفیت تھی اور وہ ان کا بیحد خیال رکھتی تھی۔ لیکن لنکن کی زیادہ عمر ایک خستہ حال کمرے میں گزری۔ کھانے کی میز پر اسے چھری کانٹے کا استعمال نہ آتا تھا جس سے میری کو بے حد کوفت ہوتی تھی۔

میری بڑی مغرور اور ضدی تھی لیکن لنکن بڑا منکسر تھا' میری بڑی حاسد تھی اور اگر لنکن کسی عورت کی طرف یونہی سرسری نظر سے دیکھ بھی لیتا تو وہ ہنگامہ برپا کر دیتی۔ اس کا حسد اس قدر غیر معقول' تلخ اور بے بنیاد تھا کہ آج بھی پڑھ کر حیرت ہوتی ہے۔

ان کی منگنی کے چند روز بعد ہی لنکن نے اسے خط لکھا کہ وہ اس سے اس قدر محبت نہیں کرتا کہ اس سے شادی کر سکے۔ اس نے یہ خط اپنے جوشو اسپیڈ کو دیا کہ میری ٹوڈ کو پہنچا دے۔ سپیڈ نے یہ خط کھولا اسے پڑھا اور پھاڑ کر آتش دان میں پھینک دیا اور لنکن سے کہا کہ وہ خود میری ٹوڈ سے ملے۔ اس نے ایسا ہی کیا۔ جب میری ٹوڈ کو معلوم ہوا کہ وہ اس سے شادی نہیں کرنا چاہتا تو وہ رونے لگی' لنکن کی سب سے بڑی کمزوری عورت کے آنسو تھے' لہٰذا اس نے اسے اپنے بازوؤں میں لے لیا' اسے چوما اور اپنے الفاظ واپس لے لئے۔

یکم جنوری 1841ء شادی کا دن مقرر ہوا' شادی کی ہر تیاری ہو چکی تھی' مگر لنکن غائب تھا' کیوں؟ اس کیوں کا جواب میری ٹوڈ کی بہن نے بعد میں ان الفاظ سے دیا۔ "وہ تو پاگل ہے۔" دراصل شادی سے پہلے لنکن کا دماغ اس صدمے سے چکرا گیا تھا' وہ ایک کمرے میں پڑا بس یہی الفاظ بار بار دہرا رہا تھا' "میں زندہ نہیں رہنا چاہتا۔" اس کے دوستوں نے اس کی جیبوں کی تلاشی لی تو ایک چاقو نکلا۔ اگر وہ تھوڑی دیر بعد میں آتے تو وہ خودکشی کر چکا ہوتا' وقتی طور پر ان کی شادی ملتوی کر دی گئی۔

Marfat.com

اس کے بعد لنکن نے اپنی زندگی کا سب سے زیادہ پردرد خط لکھا' یہ خط لفظ بہ لفظ ذیل میں درج ہے:

"اب میں قابل رحم اور بدقسمت ترین آدمی ہوں۔ اگر میرے موجودہ احساسات بنی نوع انسان کے سارے خاندان میں تقسیم کر دیئے جائیں تو دنیا میں ایک شخص بھی نظر نہ آئے گا' کیا میری حالت کبھی بہتر ہو گی۔ اس کے متعلق میں کچھ نہیں کہہ سکتا' لیکن میں انتہائی دکھ سے کہتا ہوں کہ میری حالت کبھی بہتر نہ ہو گی۔ لیکن موجودہ دلی اور ذہنی کیفیت میرے لئے ناقابل برداشت ہے' مجھے مرجانا چاہئے۔ یہی میرے دکھ کا واحد علاج ہے۔

اس واقعہ کے تقریباً دو برس بعد تک لنکن میری ٹوڈ سے بے تعلق رہا۔ آخر ایک دن ایک کمرے میں میری ٹوڈ نے لنکن سے کہا کہ اس سے شادی کرنا اس کا فرض ہے اور لنکن نے یہ فرض قبول کر لیا۔

ابراہام لنکن کے متعلق کتاب لکھنے کے دوران میں مجھے ریاست الی نوئے بھی جانا پڑا۔ وہاں میری ملاقات جمی مائلز سے ہوئی جو سپرنگ فیلڈ کے نزدیک رہتا تھا۔ اس کے ایک چچا کا نام ہرڈن تھا جو لنکن کی وکالت کے کام میں حصہ دار تھا۔ مائلز کی ایک چھوٹی پھوپھی ایک بورڈنگ ہاؤس چلاتی تھی جہاں مسٹر اور مسز لنکن اپنی شادی کے تھوڑے دنوں بعد رہنے کے لئے آئے تھے۔ جمی مائلز نے مجھے بتایا کہ اس نے اپنی پھوپھی سے یہ واقعہ اکثر سنا تھا۔ "ایک صبح مسٹر اور مسز لنکن بورڈنگ ہاؤس کے دوسرے لوگوں کے ساتھ ناشتہ کر رہے تھے' لنکن کے منہ سے کوئی ایسی بات نکل گئی جس پر اس کی بیوی کو غصہ آ گیا' اس نے چائے کی گرم پیالی اٹھا کر لنکن کے منہ پر دے ماری' دوسرے لوگ اس کی اس حرکت پر بے حد پریشان ہوئے' لنکن خاموش بیٹھا رہا اور اس نے اپنی بیوی کے کسی سوال کا جواب نہ دیا۔ اس نے اسے لعنت ملامت بھی نہ کی۔ وہ اسی حالت میں بیٹھا رہا کہ بورڈنگ ہاؤس کی مالکہ نے ایک کپڑے سے اس کا منہ اور لباس صاف کیا۔" اسی نوعیت کے کئی واقعات لنکن کی گھریلو زندگی میں اکثر پیش آتے رہتے تھے۔

لیکن ہمیں لنکن کی بیوی کو زیادہ کڑی نظر سے نہیں دیکھنا چاہئے۔ انجام کار وہ پاگل ہو گئی اور پاگل ہونے سے پہلے ہی پاگل پن کے آثار نمایاں ہونے شروع ہو گئے تھے۔

ابراہام لنکن کے متعلق جو بات مجھے سب سے زیادہ پسند ہے وہ یہ ہے کہ اس نے اپنی ازدواجی زندگی کے تیئس خوش گوار سال کسی شکایت یا غصے کے بغیر گزار دیئے۔

Marfat.com

شریف لوگ

جنرل سوتر

وہ کروڑوں پونڈ کی جائداد کا مالک تھا لیکن مرتے وقت اس کے بدن پر چیتھڑے اٹک رہے تھے۔

24- جنوری 1848ء کو امریکہ کی ریاست کیلی فورنیا کے باہر جون ڈبلیو مارشل نامی ایک بڑھئی دریا کے کنارے شراب کشید کرنے کا ایک چھوٹا سا کارخانہ بنا رہا تھا۔ اسی دن اسے اپنے زیر تعمیر کارخانے سے کچھ فاصلے پر ایک چھوٹا سا زرد پتھر دکھائی دیا۔ جسے اس نے اٹھا لیا۔ کیا وہ سونا تھا؟ وہ کچھ نہ کہہ سکتا تھا۔ لہٰذا اس نے وہ پتھر ایک مزدور کی بیوی کو دے دیا جو کپڑے دھونے کے لئے صابن ابال رہی تھی۔ اس نے وہ پتھر ابلتے ہوئے پانی میں ڈال دیا۔

گھنٹہ دو گھنٹے گرم پانی میں پڑے رہنے سے وہ پتھر شیر کی آنکھوں کی طرح چمکنے لگا۔ دوسرے دن پو پھٹنے کے ساتھ ہی مارشل نے اپنے گھوڑے پر کاٹھی ڈالی اور اپنے جاگیردار جون۔ اے سوتر کے گھر کی سمت چل پڑا وہاں سے چالیس میل کے فاصلے پر تھا۔

مکان میں داخل ہوتے ہی مارشل نے اندر سے دروازہ بند کر لیا اور زرد پتھر نکال کر اپنے مالک کو دکھایا' سوتر اسے پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھتا رہ گیا۔ شدت جذبات سے اس کی سانس الجھنے لگی۔

یہ سونا تھا..... بالکل خالص سونا' اس کا دیرینہ خواب شرمندہ تعبیر ہو گیا تھا۔ جلد ہی وہ اس دنیا کا امیر ترین شخص بن جائے گا۔

جاگیردار سوتر نے اس دریافت کو ایک راز رکھنا چاہا' مگر کوئی ستاروں کو چمکنے سے کس طرح روک سکتا ہے؟ اس نے ایک ایسی قوت کا راز پا لیا تھا جو سارے براعظم کو ہلا سکتی تھی۔ ایک ہی دن میں سوتر کے سارے ملازموں نے اپنے اپنے مقررہ کام چھوڑ دیئے۔ اور وہ لالچ کی دیوانگی میں سونا کھودنے اس جگہ جا پہنچے۔

ایک ہی ہفتے میں وہ سارا علاقہ ایک طوفان بدتمیزی کی لپیٹ میں آ گیا۔ انسانوں سے بھرے گھر ویران ہو گئے۔ ہر طرف افراتفری پھیل گئی۔ گائیں اس انتظار میں تھیں کہ کوئی ان کا دودھ دوہے' ان کے بچھڑے دودھ کے لئے بے قرار تھے' مگر کوئی انہیں ان کی جگہ سے کھولنے والا نہ تھا۔ بھیڑیوں کو کھلی چھٹی تھی اور وہ مویشیوں---- پر عام ہاتھ صاف کر رہے تھے۔

Marfat.com

شدت جذبات سے دیوانے لوگ سارا دن زمین کھودتے رہتے اور صبح سے شام تک کوئی دو سو اور ایک ہزار پونڈ کے درمیان قیمت کا سونا نکالنے میں کامیاب ہو جاتے' لمحہ لمحہ ان کی تقدیر بدل رہی تھی۔

تار برقی کے ذریعے یہ سنسنی خیز خبر سارے امریکہ میں پھیل گئی لوگ یہ خبر سن کر شدت جذبات سے پاگل ہونے لگے۔ مزدوروں نے مزدوری چھوڑ دی' دوکانداروں نے دوکانیں بند کر دیں' سپاہی فوج سے بھاگ آئے' کسانوں نے اپنی زمینیں تیاگ دیں۔ لوگ ٹڈی دل کی طرح شام سے پہلے ہی سونا اگلنے والی جگہ پر پہنچ گئے۔

1849ء کے سرگرم سال میں کوئی سات سو جہاز سان فرانسسکو کی خلیج میں لنگر انداز ہوئے۔ جہاز ران وہاں پہنچتے ہی اپنے جہازوں کو چھوڑ کر سونے کی خاطر پہاڑیوں کی سمت بھاگنے لگتے۔ وہاں لوگوں کا ایک اژدہام ہو گیا۔ وہ کسی قانون کے پابند نہ تھے' جس کی لاٹھی اس کی بھینس والا معاملہ تھا۔

ظاہر ہے یہ سارا ہجوم سوتر کی جاگیر پر جمع ہوا تھا' لوگ اس کے سرسبز کھیتوں کو پاؤں تلے روند رہے تھے۔ وہ اس کی گندم چرا کر پیٹ کی آگ بجھاتے تھے' وہ اس کے مویشی ہلاک کرتے اور ان کا گوشت کھا جاتے تھے۔ یہ سب کچھ ایک حد تک قابل برداشت تھا لیکن جب ان سونے کے دیوانوں نے جون' اے سوتر کی جاگیر پر اپنے ذاتی مکان تعمیر کرنا شروع کر دیئے تو اس کا پیمانہ صبر لبریز ہو گیا۔ مگر وہ کر بھی کیا سکتا تھا۔ لوگ اس کی زمین کی خرید و فروخت کھلے بندوں کر رہے تھے اور سوتر کو یوں سمجھتے جیسے اس کی کوئی ہستی ہی نہ ہو۔

آخر 1850ء کو کیلی فورنیا کی ریاست کو بھی امریکہ میں شامل کر لیا گیا اور وہاں کے بحران زدہ علاقوں پر قانون کا دور دورہ ہو گیا' تب سوتر نے تاریخ کا سب سے بڑا مقدمہ دائر کر دیا۔ اس نے اعلان کر دیا کہ سان فرانسسکو اور سکرامنٹو کے قصبے اس کی نجی جائیداد پر ناجائز طور پر تعمیر کئے گئے تھے۔ اس نے ان قصبوں میں رہنے والے لٹیروں کو وہاں سے نکل جانے کا فوری حکم دے دیا۔ اس نے ریاست کیلی فورنیا پر پچاس کروڑ پونڈ معاوضے کا دعویٰ ان سڑکوں' پلوں اور نہروں کے عوض کر دیا جو اس نے خود تعمیر کرائے تھے مگر بعد میں چین حکومت نے سوتر کی رضامندی حاصل کئے بغیر عوام کو استعمال کرنے کی اجازت دے دی تھی۔

چار برس تک وہ ایک عدالت سے دوسری عدالت میں یہ مقدمہ لڑتا رہا اور آخر 1855ء میں یہ مقدمہ جیت گیا۔ کیلی فورنیا کی عدالت عالیہ نے یہ فیصلہ سنا دیا کہ سان فرانسسکو'

Marfat.com

سکرامنٹو کے شہر اور دوسرے بیسیوں قصبے اور گاؤں سوتر کی نجی جاگیر پر اس کی اجازت کے بغیر تعمیر کیئے گئے ہیں۔

اس سنسنی خیز فیصلے کی خبر نے سان فرانسسکو اور سکرامنٹو کے باشندوں کو ایک زلزلے کی طرح ہلا دیا۔ قانون انہیں ان کے گھر سے باہر نکال رہا تھا' لیکن وہ قانون کو مزا چکھانا چاہتے تھے۔ یہ لوگ اس فیصلے پر مشتعل ہو گئے' وہ ایک ہجوم کی شکل میں بندوقیں کلہاڑے اور مشعلیں پکڑ کر گلیوں اور بازاروں میں نکل آئے اور قتل و غارت اور لوٹ کھسوٹ کا بازار گرم کر دیا۔

انہوں نے عدالت کو آگ لگا دی اور تمام دستاویزیں جلا دیں' تب جس جج نے یہ فیصلہ سنایا تھا' اسے پکڑ کر ایک رسے سے پھانسی دینے کی کوشش کی۔ پھر وہ گھوڑوں پر بیٹھ کر سوتر کے مکان پر گئے اور اس کے نیچے بارود رکھ کر اسے ایک پٹاخے کی طرح اڑا دیا۔ انہوں نے اس کا عمدہ فرنیچر جلا دیا اور اس کے باغ کے سارے درخت کاٹ دیئے اور اس کے مویشیوں کو گولیوں سے ہلاک کر دیا۔

انہوں نے سوتر کا ایک بیٹا بھی ہلاک کر دیا اور دوسرے کو خودکشی پر مجبور کر دیا' تیسرا لڑکا یورپ کی طرف فرار ہونے کے دوران سمندر میں ڈوب گیا۔ اس اچانک ہنگامے سے جون اے سوتر اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھا۔ اس حادثے کے بیس برس بعد تک وہ امریکہ کے دارالحکومت واشنگٹن میں عدالتوں میں مارا مارا پھرتا رہا' وہ کانگرس سے اپنے حقوق تسلیم کروانا چاہتا تھا۔ بیچارہ سوتر چیتھڑوں میں ملبوس ججوں کے پاس انصاف کے لئے مارا مارا پھرتا رہا' جب وہ گلیوں سے گزرتا تو بچے اس پر ہنستے اور پتھر مارتے۔

آخر 1880ء کے موسم بہار میں وہ واشنگٹن کے ایک تاریک خستہ حال کمرے میں وفات پا گیا' مرتے وقت اس کی جیب میں ایک پیسہ بھی نہ تھا مگر اس کے پاس پچاس کروڑ پونڈ کی قانونی ڈگری ضرور تھی' دنیا کا عظیم ترین خزانہ۔

پانچ برس بعد جون' ڈبلیو' مارشل بڑھئی بھی فوت ہو گیا جس کی دریافت نے مغربی دنیا کی تاریخ میں سب سے زیادہ سونا فراہم کیا تھا وہ بھی اپنے خستہ حال مکان میں مفلسی کی موت مرا۔ دوسرے لوگوں نے اس کی دریافت سے لاکھوں پونڈ بنائے تھے' لیکن وہ اپنے کفن کے لئے بھی پیسے نہ چھوڑ گیا تھا۔

○

Marfat.com

فنکار

جارج گرش ون

اس نے دُنیائے موسیقی میں انقلاب برپا کر دیا اس کے باوجود وہ ہفتے میں تین دفعہ موسیقی کا سبق لیا کرتا تھا۔

میرے خیال کے مطابق جارج گرش ون امریکہ کا مقبول ترین میوزک ڈائریکٹر تھا۔ میں نے ایک دفعہ اس سے اس کی کامیابی کا راز پوچھا تو اس نے جواب دیا۔ "بڑی سیدھی سادی بات ہے، مجھے معلوم تھا کہ میں کیا چاہتا ہوں اور میں اسے حاصل کر کے رہا۔"

مرتے دم تک وہ روز اول کی طرح محنت کرتا رہا۔ جارج گرش ون کے متعلق جس چیز نے مجھے سب سے زیادہ حیران کیا ہے وہ یہ ہے کہ شہرت کی بلندیوں پر پہنچنے کے باوجود وہ ہفتے میں موسیقی کے تین سبق لیا کرتا تھا اور ہر سبق ڈیڑھ گھنٹہ لمبا ہوتا تھا۔

اس نے اپنا پہلا گیت فقط ایک پونڈ میں فروخت کیا۔ لیکن نو برس بعد اسے اپنے ایک گیت کا معاوضہ دس ہزار پونڈ ملا کرتا تھا۔

پہلی مرتبہ جب اس نے ایک تھیٹر میں موسیقی دی تو بری طرح ناکام ہوا۔ تھیٹر والوں نے اسے پانچ پونڈ فی ہفتہ کے حساب سے ملازم رکھا تھا۔ لیکن جب پہلی رات ایک ڈرامے کے دوران وہ موسیقی دے رہا تھا تو بے حد گھبرا گیا اور گھبراہٹ میں سب خلط ملط کر گیا۔ سٹیج پر کام کرنے والے ایکٹر اس کا مذاق اڑانے لگے۔ تماشائیوں نے اس پر آوازے کسے۔ جارج گرش ون بے عزتی کا گہرا احساس لئے تھیٹر سے باہر نکل گیا۔ غصے سے اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ اس نے مجھے بتایا کہ وہ اس کی زندگی کا سب سے بڑا ہتک آمیز تجربہ تھا، پھر وہ کبھی دوبارہ اس تھیٹر میں نہ گیا۔

گرش ون مصور بننا چاہتا تھا لیکن اپنی والدہ کے حسد کے سبب موسیقار بن گیا۔ ہوا یوں کہ جس علاقے میں گرش ون رہا کرتا تھا، وہاں کسی گھر میں پیانو کا ہونا خوشحالی کی علامت سمجھی جاتی تھی، ایک دن گرش ون کی والدہ کی نند نے ایک پیانو خرید لیا۔ گرش ون کی والدہ نے قسم کھالی کہ وہ بھی پیانو خرید کر رہے گی۔ لہٰذا اس نے پیانو خرید لیا۔ یہ الگ بات ہے

Marfat.com

کہ پیانو پرانا تھا اور اسے قسطوں پر خریدا گیا تھا' لیکن ایک بات ضرور ہے' اگر مسز گرش ون پیانو نہ خریدتی تو اس کا بیٹا اتنا بڑا موسیقار نہ بنتا اور امریکی موسیقی کی تاریخ مختلف ہوتی۔

گرش ون نے اپنا پہلا مقبول عام گیت لکھنے اور مرتب کرنے سے پہلے سینکڑوں گیت مرتب کئے لیکن انہیں ردی کی ٹوکری میں پھینکتا رہا۔ اس کا پہلا کامیاب گیت "سوانی" تھا۔ یہ گیت پہلے پہل 1918ء میں نیویارک کے کیپٹل تھیٹر میں گایا گیا۔ لیکن کسی نے اس پر کوئی توجہ نہ دی' فقط ال جولسن نے اس گیت کو سراہا۔ وہ جانتا تھا کہ اس گیت میں مشہور ہونے کی صلاحیتیں موجود تھیں۔

نو ماہ بعد جب ال جولسن ایک فلم میں کام کر رہا تھا' تو فلم والوں کو ایک مقبول عام گیت کی ضرورت تھی۔ اس نے سوانی گایا اور لاکھوں رگوں میں سنسنی کی لہر دوڑا دی۔ سامعین پاگل ہو گئے۔ پانچ منٹ میں ال جولسن نے ایک ناکام گیت کو کامیابی میں بدل دیا۔ ایک ماہ کے اندر اندر نصف قوم "سوانی" گا رہی تھی اور دو ماہ کے اندر لاکھوں لوگ اس کی دھن پر رقص کر رہے تھے۔ جارج گرش ون یہ منظر دیکھ کر دیوانہ سا ہو گیا۔ اس زمانے میں وہ ایک جگہ ساٹ پونڈ فی ہفتہ پر ملازم تھا۔ اچانک ریکارڈوں کی رائلٹی بارہ ہزار پونڈ..... اسے مل گئی۔ بارہ ہزار پونڈ فقط ایک گیت کا معاوضہ' اس کے خیال کے مطابق تو اتنا روپیہ ساری دنیا میں موجود نہ تھا۔

جدید تھیٹر میں جارج گرش ون کو ایک اہم مقام حاصل ہے۔ اس کے باوجود وہ خود کبھی کبھار تھیٹر جاتا تھا۔

اگرچہ اس نے ایسی دھنیں بنائی ہیں جن پر لاکھوں جوڑے والہانہ رقص کرتے تھے لیکن اس نے خود کبھی رقص نہ کیا تھا۔

اس نے کبھی سگریٹ نہ پیا تھا' کبھی کبھی خاص موقعوں پر شراب پیتا وہ نصف شب تک کام کرتا رہتا اور دوپہر سے پہلے بستر میں سے نہ اٹھتا۔ اس کے پاس فرانسیسی تصویروں کا ایک نادر مجموعہ تھا۔

وہ عمر بھر کنوارا رہا اور ایست بہتر سٹریٹ کے ایک فلیٹ میں رہتا تھا۔ لنکن کا یوم ولادت 1924ء ہے۔ موسیقی کے نقادوں کے نزدیک یہ دن امریکی موسیقی کی تاریخ میں انقلابی نقطہ تصور کیا جاتا ہے آخر کیوں؟ کیونکہ اس دن جارج گرش ون نے اپنا لاثانی گیت "نیا گیت" مرتب کیا تھا۔

یہ گیت بالکل اتفاقیہ لکھا گیا تھا۔ پال وٹ مینن نے اسے اپنے کنسرٹ کے لئے جاز کی ایک دھن مرتب کرنے کے لئے کہا۔ لیکن گرش ون ان دنوں ایک منظوم مزاحیہ ڈرامے کے لئے موسیقی تیار کر رہا تھا لہٰذا وہ پال وٹ مین سے کیا ہوا وعدہ بھول گیا۔ پھر ایک دن اس نے اخبار میں خبر پڑھی کہ وہ پال وٹ مین کے کنسرٹ کے لئے موسیقی مرتب کر رہا تھا۔ اسے ایک دم اپنا وعدہ یاد آ گیا' لہٰذا وہ فالتو وقت میں اس کنسرٹ کے لئے گیت مرتب کرنے لگا اور اس طرح نیلا گیت تخلیق ہوا۔

جس دن وہ کنسرٹ ہونا تھا۔ مرد اور عورتیں تھیٹر میں داخل ہونے کی خاطر گتھم گتھا ہو رہے تھے' وہ کنسرٹ بے حد کامیاب ہوا۔ امریکہ کی موسیقی تاریخ میں ایک نئی قسم کی موسیقی جنم لے چکی تھی۔

Marfat.com

کیری جیکب بانڈ

وہ ردی کاغذوں پر شعر لکھتے لکھتے بیسویں صدی کا مقبول ترین گیت لکھنے میں کامیاب ہو گئی۔

پچاس برس پہلے امریکہ کی ریاست مشی گن کے شمالی حصے میں فرینک بانڈ نامی ایک ڈاکٹر رہتا تھا۔ زمستان کی ایک یخ بستہ رات کو اچانک اسے ایک مریض کو دیکھنے باہر جانا پڑا' رخصت ہونے سے پہلے اس نے اپنی بیوی کے لبوں پر بوسہ دیا اور کہا' میری جان ایسے بے وقت میرا گھر سے نکلنا تمہیں گراں گزرتا ہو گا۔ لیکن ایک ڈاکٹر کی زندگی کا طور ہی یہی ہے۔ لیکن ہمیں ایک دوسرے سے محبت ہے اور اس قسم کی جدائیاں محبت کو استوار کرتی ہیں۔

یہ اس کے آخری الفاظ تھے' ابھی وہ اپنے گھر سے تھوڑی دور ہی گیا تھا کہ برف پر سے اس کا پاؤں بری طرح پھسلا۔ اس کے سر پر سخت چوٹ آئی اور اس کی کئی پسلیاں ٹوٹ گئیں۔ چند لمحوں بعد وہ اس دنیا سے رخصت ہو گیا۔

ڈاکٹر اپنے پیچھے دس ہزار روپیہ کا قرضہ اور ایک بچہ چھوڑ گیا تھا۔ ڈاکٹر کی بیوی کیری جیکب بانڈ حیران و پریشان تھی کہ اب وہ کیا کرے' اسے کسی قسم کی تجارت کا کوئی تجربہ نہ تھا۔ وہ تو فقط گھریلو زندگی سے واقف تھی' اسے گھریلو کام کاج کئے بھی عرصہ گزر چکا تھا کیونکہ وہ ایک مدت سے دمے کی مریض تھی اور جب اسے دمے کا دورہ پڑتا تو اس کا سارا سم ڈھانچے کی طرح جھومنے لگتا۔

لیکن وہ نہ تو ہمدردی اور نہ ہی خیرات کی خواہشمند تھی۔ اسے اپنے آپ پر بہت فخر تھا۔ لہٰذا اس نے اپنے احباب اور رشتہ داروں سے کنارا کیا اور شکاگو چلی گئی تاکہ وہاں آئندہ زندگی کی سختیاں عزیز و اقارب سے دور رہ کر جھیل سکے۔

اس نے کیا کچھ کیا؟ سب سے پہلے اس نے ایک مسافر خانہ کھولا' لیکن وہ اس کے خراجات کی متحمل نہ ہو سکی۔ پھر اس نے چینی کے برتنوں پر نقش و نگار بنا کر انہیں

Marfat.com

فروخت کرنا شروع کر دیا۔ لیکن لوگوں نے انہیں کوئی خاص پسند نہ کیا' پھر وہ گیت لکھنے لگی لیکن کوئی ناشر انہیں خریدنے پر تیار نہ تھا۔

آخر پندرہ برس بعد کیری جیکب بانڈ نے "ایک اچھے دن کا اختتام" کے عنوان سے ایک گیت لکھا تھا' اس گیت کی ساٹھ لاکھ کاپیاں فروخت ہوئیں اور اس نے تقریباً پانچ لاکھ روپیہ کمایا۔

مگر جب اس نے شروع شروع میں گیت لکھے تو کوئی انہیں دس پونڈ کے عوض بھی خریدنے کو تیار نہ تھا۔ مفلسی نے اسے چاروں طرف سے گھیر لیا تھا۔ اس کے پاس اتنے پیسے بھی نہ ہوتے تھے کہ مکان کا کرایہ ادا کر سکے اور اسے ہر وقت یہ خطرہ رہتا تھا کہ کہیں مالک مکان اس کا سامان مکان سے نکال کر باہر فٹ پاتھ پر نہ رکھ دے' سردیوں میں اپنا جسم گرم رکھنے کے لئے اس کے پاس اتنے پیسے نہ ہوتے تھے کہ ایندھن خرید سکے۔ وہ اتنی غریب ہو گئی کہ دن میں فقط ایک بار کھانا کھاتی تھی۔ آخر اس نے فاقوں سے تنگ آ کر اپنا بچا کھچا فرنیچر بھی فروخت کر ڈالا۔

لیکن اس ساری پریشان کن مفلسی کے زمانے میں کیری جیکب بانڈ خوبصورت گیت لکھتی رہی۔ ایسے گیت جو ایک دن دنیا میں مشہور ہونے تھے اور ہر ایک نے انہیں گاتے پھرنا تھا مگر مسز بانڈ ان گیتوں کو ردی کے کاغذوں پر لکھا کرتی تھی۔ کیونکہ اس کے پاس اتنے پیسے نہ ہوتے تھے کہ اچھا اور صاف کاغذ خرید سکے۔ وہ شمع کی روشنی میں گیت لکھتی تھی' کیونکہ اسے گیس روشن کرنے کی توفیق نہ تھی۔

وہ اپنے گیت مشتہر کرنا چاہتی تھی لیکن اس کے پاس اشتہار دینے کے لئے پیسے نہ تھے۔ لہٰذا وہ اشتہاروں کی قیمت چکانے کے لئے ایڈیٹروں کی بیویوں کے کپڑے سیا کرتی۔ شروع شروع میں اسے کسی کلب میں شام کے وقت گیت سنانے کے بمشکل دس پونڈ ملا کرتے۔ لیکن جب بعد میں مشہور ہو گئی تو اسے کسی کلب میں گیت سنانے کے لئے بارہ منٹ کا معاوضہ دو سو پونڈ ملا کرتا۔

جب پہلی دفعہ وہ ایک کلب میں گیت سنانے کے لئے گئی تو لوگوں نے اس کا خوب مذاق اڑایا۔ شکستہ دل ہو کر وہ کلب کے عقبی دروازے سے ننگے پاؤں اور ننگے سر باہر گلی میں بھاگ آئی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ لیکن بعد میں اس کا نام اور تصویر

Marfat.com

نامور اخباروں اور رسالوں میں شائع ہوتی اور اسے تھیٹر میں گیت سنانے کے عوض دو ہزار پونڈ فی ہفتہ ملتا۔

ایک دفعہ اسے ایک گورنر کے سامنے گیت سنانا تھا۔ لیکن اس موقع پر پہننے کے لئے اس کے پاس لباس نہ تھا اور نہ ہی اتنے پیسے تھے کہ بازار سے خرید سکے۔ اس نے اپنا ٹرنک کھولا' اس میں دو بڑے بڑے پردے پڑے تھے' اس نے وہ پردے سی کر لباس تیار کر لیا۔

پھر ایک دن ایسا آیا کہ مسز بانڈ کو اپنے چند دوستوں کے ہمراہ شمالی کیلیفورنیا کے حسن پرور اور نظر فریب مناظر میں ایک دن گزارنے کا موقع ملا۔ اس کا وہ دن بڑے طلسمی انداز میں گزرا' شام کے وقت وہ روبی ڈیکس کی پہاڑی پر کھڑی ڈوبتے ہوئے سورج کا نظارہ کر رہی تھی اور جب سورج دور سمندر میں غروب ہو رہا تھا تو اس نے اپنے آپ سے کہا۔ "سچ مچ یہ کتنا اچھا دن ہے۔"

لفظ اور مصرعے اس کے ذہن میں تربیت پانے لگے' شکر گزاری کا ایک جذبہ اس کے دل میں جنم لینے لگا۔ اس پر شعر کہنے کا موڈ طاری ہو گیا اور اس نے وہیں دو قطعے لکھ ڈالے۔ پھر وہ اس کی طرز بھی گنگنانے لگی۔

بات بن گئی تھی۔

موسیقی کے ایک معجزے نے جنم لے لیا تھا۔ اس نے کسی کوشش کے بغیر ایک ایسے گیت کی تخلیق کی تھی جس نے بیسویں صدی کی غنائیہ شاعری میں ہلچل پیدا کر دی تھی۔

جب مسٹر روز و یلٹ امریکہ کا صدر تھا تو وہ مسز بانڈ کو وائٹ ہاؤس میں بلا کر اس سے گیت سنا کرتا تھا۔ "ایک اچھے دن کا اختتام۔" صدر ہارڈنگ کا محبوب ترین گیت تھا۔ اس گیت کا اردو ترجمہ ذیل میں درج ہے:

جب آپ ایک اچھا دن گزار چکے ہوں
اور شام کے وقت اپنے خیالات میں محو ہوں
اور دن کی لائی ہوئی خوشی کی یاد میں
کلیسا کی گھنٹیاں سریلے انداز میں بجتی ہوں
تو کیا آپ جانتے ہیں کہ ایک اچھے دن کا اختتام
جب سورج اپنی آتشیں کرنوں کے ہمراہ ڈوب رہا ہو

Marfat.com

اور عزیز دوست جدا ہونے والے ہوں
ایک تھکے ہوئے دل کے لئے کیا اہمیت رکھتا ہے
ایک سفر کے اختتام پر
یہ ایک اچھے دن کا اختتام بھی ہے
لیکن یہ اپنے پیچھے ایک ایسا خیال
چھوڑے جا رہا ہے
جو بڑا متوثر اور سچا ہے
اس اچھے دن نے اپنی یاد کی تصویر
ایسے رنگوں کے ساتھ کھینچ دی ہے
جو کبھی دھندلے نہ پڑیں گے
یہ یاد ایک اچھے دوست سے کم نہیں

○

Marfat.com

گریٹا گاربو

ہالی وڈ کی یہ بے مثال اور زندہ جاوید ایکٹرس ایک زمانے میں پیٹ پالنے کی خاطر حجام کی دوکان پر کام کرتی تھی۔

دنیا کی دو مشہور ترین ہستیاں ایک زمانے میں حجام کی دوکان پر کام کیا کرتی تھیں۔ ایک لندن میں اور دوسری سٹاک ہوم میں۔ وہ دونوں صابن برش پر لگا کر گاہکوں کے چہرے پر ملتے اور حجام بعد میں استرے سے ان کی شیو بنا دیتا۔ ان میں سے ایک کا نام گریٹا گاربو ہے اور دوسرے کا نام چارلی چپلن ہے۔ ایک زمانے میں وہ اپنی روزی اس طرح کمایا کرتے تھے۔

جب وہ گاربو امریکہ گئی تو وہاں کے لوگ اس کے نام سے ناآشنا تھے۔ وہ انگریزی بھی نہیں بول سکتی تھی۔ اس وقت اس کی عمر دس برس کی تھی۔ لیکن بعد میں وہ دنیا کی مشہور ترین شخصیت بن گئی' اتنی شہرت کسی شہنشاہ کو بھی حاصل نہ ہوئی ہو گی۔

بچپن میں گاربو کو سکول کے ہنگاموں سے کچھ نفرت سی تھی' وہ سکول تو جاتی تھی مگر چپکے سے وہاں سے کھسک جاتی اور کسی تھیٹر کے باہر ایڑیوں کے بل کھڑی ہو کر ایکٹروں کے مکالمے سننے میں مصروف رہتی اور اگر کبھی موقع ملتا تو چوری چھپے اندر گھس جاتی۔ تھیٹر سے واپسی پر وہ گھر آتی اور اپنے منہ پر پاؤڈر وغیرہ مل کر ایکٹروں جیسی حرکتیں کرنے کی کوشش کرتی۔

جب وہ چودہ برس کی تھی تو اس کے باپ کا انتقال ہو گیا۔ وہ ایک غریب کنبے سے تعلق رکھتی تھی۔ مجبوراً" اسے ایک حجام کی دوکان پر کام کرنا پڑا۔ لیکن یہ کام اسے پسند نہ تھا' لہٰذا اسے چھوڑ کر وہ ہیٹ فروخت کرنے والی ایک دوکان پر ملازم ہو گئی۔

پھر ایک دن اس کے ساتھ عجیب واقع ہوا' ایسا واقعہ جس نے اس کی زندگی کا رخ بدل دیا اور وہ شہرت کی راہ پر گامزن ہو گئی جس دوکان میں وہ ملازم تھی' اس کے مالک نے

Marfat.com

ٹوپیوں کی فروخت کے متعلق اخبار میں اشتہار دینا تھا۔ اس نے گاربو کے سر پر ہیٹ رکھ کر اس کی تصویر اتروائی اور اسے اخبار میں دے دیا۔ اس تصویر کے سبب اس کے ہیٹوں کی فروخت دوگنی ہو گئی' یہ دیکھ کر دوکان کے مالک نے ہیٹوں کے متعلق فلم بنانے کا فیصلہ کیا۔ اس فلم میں گاربو نے بطور ماڈل کام کیا۔

اگر وہ فلم ایک سمجھ دار ڈائریکٹر نے نہ دیکھی ہوتی تو ممکن تھا کہ گاربو آج بھی اسی دوکان پر ہیٹ فروخت کر رہی ہوتی۔ لیکن سویڈن کے فلم ڈائریکٹر مارسی سیٹلر نے وہ فلم دیکھ لی اور گاربو سے بے حد متاثر ہوا اور اسے فلموں میں کام کرنے کی دعوت دی۔ اس وقت گاربو کی عمر سولہ برس کی تھی' مارسی سیٹلر نے اسے ایک ڈرامہ سکول میں بھیج دیا۔

کچھ عرصے بعد مارسی سیٹلر کو اپنی ایک فلم میں چھوٹے سے کردار کے لئے ایک جوان لڑکی کی ضرورت تھی۔ اس نے گاربو کو وہ کردار ادا کرنے کے لئے منتخب کر لیا۔ اس فلم میں اس کے اداکارانہ جوہر نمایاں ہو گئے اور وہ شاندار مستقبل کے راستے پر چل نکلی۔

گریٹا دنیا کی شرمیلی ترین اور نہایت پراسرار عورت ہے۔ وہ ان لوگوں کے لئے بھی بے حد پراسرار ہے جو اس کے ساتھ کام کرتے ہیں۔ مثلاً ایکٹر ویلس بری نے ایک فلم میں اس کے ساتھ دو برس تک کام کیا۔ لیکن فلم کے سیٹ پر ان دو برس میں ایک مرتبہ بھی ان کا آپس میں سامنا نہ ہوا۔ اس فلم کا نام گرینڈ ہوٹل تھا۔ وہ دونوں مختلف منظروں میں آتے تھے جو مختلف اوقات پر فلمائے گئے۔

ایک دفعہ مشہور امریکی ادیب آرتھر برلیس بین گاربو کو دیکھنے کے لئے ہالی وڈ گیا۔ اسے اس فلم کے سیٹ پر لے جایا کرتا جس میں گاربو کام کر رہی تھی۔ لیکن گاربو نے اسے ملنے سے انکار کر دیا۔ اس کی وجہ اس نے یہ بیان کی۔ "میں مسٹر برلیس بین کے مضمون پڑھتی ہوں اور انہیں پسند کرتی ہوں۔ لیکن میں اس کی موجودگی میں ایکٹنگ نہیں کر سکتی۔"

جب گاربو نے کسی جذباتی منظر میں کام کرنا ہوتا تو اکثر یہ مطالبہ کرتی کہ سیٹ پر کوئی تماشائی موجود نہ ہو حتیٰ کہ ڈائریکٹر بھی وہاں سے چلا جائے فقط کیمرہ مین کی موجودگی میں وہ ایسے مناظر میں کام کیا کرتی تھی۔

فلم کے ایک منظر میں کام کرنے کے بعد وہ ایک دم سٹوڈیو میں اپنے کمرے میں چلی

Marfat.com

جاتی اور کسی کو اندر آنے کی اجازت نہ دیتی' کمرے سے وہ اس وقت باہر نکلتی جب دوسرے منظر کے لئے سیٹ تیار ہوتا' سیٹ کے باہر تین چار سپاہی کھڑے رہتے۔ امریکہ کے صدر یا برطانیہ کے شہنشاہ کو دیکھنا اتنا مشکل نہ ہوتا تھا جس قدر گاربو کو دیکھنے میں اس کے مداحوں کو مشکلات پیش آتی تھیں۔

اگرچہ اس کے لاکھوں مداح تھے لیکن اس کا حلقہ احباب بیحد محدود تھا' وہ احساس کمتری کا شکار تھی۔ اپنی تمام تر شہرت کے باوجود جب کسی اہم شخصیت سے اس کا تعارف کرایا جاتا تو اسے کپکپی چھڑ جاتی' تنہائی کی وہ بے حد شیدا ہے۔ وہ اپنا کھانا اپنے وسیع و عریض محل میں تنہا کھاتی ہے۔ اس کے فقط دو دوست ملنے کے لئے آتے ہیں۔ ٹیلیفون کی گھنٹی کبھی کبھار بجتی ہے۔ قہقہے کبھی کبھار سننے میں آتے۔

آج امریکہ میں فقط چند لوگوں کے سوا کسی کو معلوم نہیں کہ گریٹا گاربو کہاں رہتی ہے۔ اس کے ہمسائے تک اس حقیقت سے ناواقف ہیں کہ عظیم گاربو ان کی ہمسایہ ہے۔ ایک مرتبہ اس نے ایک مکان کرائے پر لیا۔ تین ماہ کا ایڈوانس کرایہ بھی دے دیا۔ لیکن اس میں فقط تین دن رہی' کیونکہ ایک فوٹو گرافر کو اس کے مکان کا علم ہو گیا تھا دنیا کے تمام فلمی ستاروں کے مقابلے میں گاربو کا رہن سہن بے حد سادہ ہے۔ وہ ایک ٹوٹی پھوٹی کار میں سفر کرتی ہے۔ کار کی حالت اس قدر ناگفتہ بے ہے کہ دیکھ کر ہنسی آتی ہے۔ اس کے فقط تین نوکر ہیں۔ ایک اس کا ڈرائیور' دوسرا اس کا حبشی ملازم' تیسرا اس کا خانساماں ہے۔ اس کے ہفتہ وار اخراجات فقط بیس ڈالر ہیں۔ حالانکہ اس کی ہفتہ وار آمدنی پندرہ سو ڈالر ہے۔

اسے جانوروں سے محبت ہے۔ راستے میں اگر کوئی کتا یا گھوڑا مل جائے تو وہ اسے تھپکے بغیر آگے نہیں بڑھتی۔

اس نے اپنے گھر کے تالاب میں سنہریاں مچھلیاں اور مینڈک پال رکھے ہیں۔ میرے دوست ہومر کرو نے مجھے بتایا ہے کہ جب کبھی وہ گاربو کو ملنے گیا ہے۔ اس نے اسے مینڈکوں کے ساتھ باتیں کرنے میں مصروف دیکھا ہے اور وہ اس سے بھی سارا وقت مینڈکوں کے متعلق باتیں کرتی رہی ہے۔

گریٹا سویٹر اور پتلون میں باہر نکلنا پسند کرتی ہے۔ اسے میک اپ سے نفرت ہے۔ اس

Marfat.com

نے اپنے رخساروں پر کبھی سرخی نہیں لگائی اور نہ ہی ہونٹوں کو لپ اسٹک سے مانوس ہونے دیا ہے۔ اس کی انگلیوں کے ناخن بھی ناخن پالش سے بے نیاز رہتے ہیں۔

گاربو کے دانت بے حد خوبصورت ہیں اور وہ ان کی پوری پوری حفاظت کرتی ہے۔ اسی لئے اسے کبھی کسی دندان ساز کے پاس جانے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ "اپیل ساس" (سیب کی چٹنی) انگریزی کے یہ دو لفظ اس نے سب سے پہلے سیکھے تھے، اگر آج کوئی اس سے ہالی وڈ اور اس کی زندگی کے متعلق مختصر طور پر پوچھے تو وہ یہی جواب دیتی ہے، "اپیل ساس۔"

○

Marfat.com

موزرٹ

اس کے جنازے کے ساتھ ایک شخص بھی قبرستان تک نہ گیا۔

عظیم روسی وائلن نواز لیو پولڈ اور جس نے سینکڑوں موسیقار دریافت کئے اور انہیں مختلف ساز بجانے کی تعلیم دی، ایک دفعہ مجھ سے کہنے لگا "اگر آپ ایک عظیم موسیقار بننا چاہتے ہیں تو آپ کو کسی غریب گھرانے میں پیدا ہونا ہو گا۔ میں نہیں جانتا کہ وہ کیا چیز ہے مگر ہے ضرور، اور میں اسے محسوس بھی کرتا ہوں جو مفلسی کی روح میں نہاں ہے۔ وہ بڑی پراسرار، بڑی خوبصورت، بڑی پرطاقت اور بڑی نازک ہے۔

موزرٹ اس قدر غریب ہوا کرتا تھا کہ اس کے پاس اپنے شکستہ حال اور یخ بستہ کمرے کو گرم کرنے کی خاطر اتنے پیسے بھی نہ ہوتے تھے کہ چند لکڑیاں خرید سکے، لہٰذا وہ اپنی اونی جرابوں میں اپنے ہاتھ لپیٹے موسیقی کی وہ مقدس دھنیں مرتب کرنے میں مصروف رہتا جنہوں نے اسے غیر فانی کر دیا۔

وہ پینتیس برس کی عمر میں تپ دق سے مر گیا۔ سردی اور بھوک مسلسل اس کی قوت برداشت پر کاری ضربیں لگاتی رہیں، اس کی زندگی میں زیادہ دن ایسے گزرے جب اسے فقط ایک وقت کے کھانے پر قناعت کرنی پڑی تھی۔ جب وہ مرا تو اس کی تجہیز و تکفین پر فقط پندرہ روپے خرچ ہوئے اور وہ بھی لوگوں نے چندے کی صورت میں جمع کئے۔ اس کے جنازے کے پیچھے فقط چھ آدمی تھے اور وہ بھی جب مینہ برسنے لگا تو راستے ہی سے گھر واپس چلے گئے۔

ہیرلڈ سٹنفورڈ جو وکٹر ہربرٹ کا یار غار تھا۔ اس نے مجھے بتایا کہ جب وکٹر ہربرٹ پہلی دفعہ امریکہ گیا تو وہ کئی کئی ماہ فقط ایک قمیض میں گزارا کرتا تھا اور جب وہ میلی ہو جاتی تو اس کی بیوی جتنی دیر اسے دھونے، سکھانے اور استری کرنے میں صرف کرتی۔ وہ یہ سارا عرصہ بستر میں بغیر قمیض کے لیٹا رہتا۔

پہلی جنگ عظیم کے دوران یہ گیت بچے بچے کی زبان پر تھا، "بہت بہت دور ہے ٹیپر

Marfat.com

پری ابھی۔" کسی جنگ میں کوئی گیت اس قدر مقبول نہیں ہوا۔ لیکن یہ گیت لکھنے والا شاعر اپنی روٹی کمانے کے لئے دن کو مچھلیاں فروخت کرتا اور رات کو کسی تھیٹر میں اداکاری کرتا۔

دنیا کے مقبول ترین گیتوں میں سے یہ بھی ہے' "سونے میں چاندی کی تاریں۔" ہارٹ پی ڈکنز نے یہ گیت اپنی بیوی کو بطور تحفہ محبت پیش کیا تھا یہ گیت ایک رسالے میں شائع ہوا اور ہارٹ کو اس کا معاوضہ فقط تین پونڈ ملا' بعد میں میاں بیوی کے درمیان کوئی جھگڑا ہو گیا اور وہ ایک دوسرے سے جدا ہو گئے۔ آج سے چالیس برس پہلے ہارٹ بڑی خستگی اور مفلسی کی حالت میں ایک تنگ و تاریک کمرے میں اس دنیا سے اٹھ گیا اس کے سرہانے ایک میز پڑی تھی جس پر ایک کھلا کاغذ رکھا تھا۔ اس کاغذ پر یہ لفظ لکھے ہوئے تھے۔ "بڑھاپے کی منزلوں سے اکیلے گزرنا بہت مشکل ہے۔"

دنیا کی مقبول ترین موسیقی کی کتابوں میں سے ایک کا مصنف ایک قصائی کا بیٹا ہے جسے اس نے اپنی دوکان پر بیٹھ کر شوروغل کے درمیان لکھا۔ دنیا کے کسی نہ کسی حصے میں اس کتاب کی کوئی نہ کوئی دھن ہر روز ضرور بجائی جاتی ہے۔ اس کتاب کا نام ہومورسکو ہے اور اس کا مصنف ہے بوہیمین جو بعد میں انطون ڈوراک کے نام سے مشہور ہوا' جب وہ پچاس برس کا تھا تو امریکہ گیا۔ وہ نیویارک کی ہنگامہ پرور زندگی کا مقابلہ نہ کر سکا۔ لہٰذا وہ اس عظیم شہر کے قریب سپلل نامی ایک قصبے میں چلا گیا۔

اس قصبے میں رہ کر ڈوراک نے بہت سے گیتوں کی بہترین دھنیں مرتب کیں۔ وہ سارا دن کھیتوں میں گھومتا رہتا اور نغموں کی دھنیں مرتب کرتا۔

ڈوراک آج سے سو برس پہلے ایک دور افتادہ قصبے بوہیمیا میں پیدا ہوا۔ اس نے بہت کم تعلیم حاصل کی' اس کا باپ قصائی تھا۔ لہٰذا وہ اس کے ہمراہ دوکان پر بیٹھتا اور اس کے کام میں ہاتھ بٹاتا لیکن اس کے ذہن میں تو لاکھوں نغموں کی دھنیں بسی ہوئی تھیں۔ گوشت کاٹنے کے ساتھ ساتھ وہ دل ہی دل میں نغموں کی دھنیں بھی مرتب کرتا رہتا۔

آخر اس نے دوکان پر جانا چھوڑ دیا اور موسیقی کی تعلیم حاصل کرنے پیرگ چلا گیا' لیکن پیرگ میں اس کے پاس گزر اوقات کے لئے پیسے نہ ہوتے تھے۔ لہٰذا وہ گلیوں میں وائلن بجاتا اور اس طرح لوگوں سے پیسے لے کر دونوں وقت کی روٹی چلاتا' لیکن آہستہ آہستہ اس کی مالی حالت اس قدر خراب ہو گئی کہ اسے ایک ٹوٹے پھوٹے کمرے میں رہنا پڑتا' اس کے باوجود اس کے پاس اتنے پیسے نہ ہوتے تھے کہ اس مکان کا کرایہ ہی ادا کر

Marfat.com

سکے۔ لہٰذا اس نے چار اور طلبا کو اپنے کمرے میں جگہ دے دی۔

سردیوں میں وہ کمرہ برف کا تودہ بن جاتا اور فاقوں کا مارا ہوا اس کا جسم یہ سردی برداشت نہ کر سکتا۔ اس کے پاس ایک پرانا پیانو بھی ہوا کرتا تھا جس کے کئی سرغ غائب تھے' وہ اسے مرتب کرانے کی خاطر اپنا پیٹ کاٹ کر پیسے جمع کرتا رہتا' اسی کمرے میں اسی پیانو پر ڈوراک نے کئی دھنیں مرتب کیں مگر انہیں لکھ نہ سکا۔ آخر کیوں؟ کیونکہ اس کے پاس کاغذ خریدنے کے لئے بھی پیسے نہ ہوتے تھے۔ بعض اوقات تو وہ گلی سے ردی اٹھا کر ان پر لکھنے پر مجبور ہو جاتا تھا۔

بہرحال ہمیں اس کی مفلسی پر تاسف نہ کرنا چاہئے کیونکہ اس کی بدولت اس کی صلاحیتیں اجاگر ہوئیں۔

○

Marfat.com

والٹ ڈزنی

وہ ایک چوہیا کی بدولت دنیا کا امیر اور مشہور ترین شخص بن گیا۔

پینتیس برس پہلے والٹ ڈزنی جو مکی ماؤس اور "تھری لٹل پگز" کا خالق ہے۔ گمنامی کے گوشے میں پڑا زندگی کے دن گزار رہا تھا' لیکن آج اس کا شمار دنیا کی مشہور ترین شخصیتوں میں ہوتا ہے۔

تیس برس پہلے والٹ ڈزنی مفلسی کے ہاتھوں بے حد تنگ تھا' بعض اوقات اس کے پاس اتنے پیسے بھی نہ ہوتے تھے کہ دو وقت کا کھانا ہی کھا سکے' لیکن آج اس کی شہرت قطب شمالی سے لے کر لنکا کے چائے کے کھیتوں تک پھیلی ہوئی ہے۔ یہاں تک کہ قطب شمالی کے اسکیمو بھی اس کی فلموں کے دلدادہ ہیں۔

تیس برس پہلے والٹ ڈزنی مفلوک الحال تھا' لیکن آج اس کی دولت کا اندازہ کرنا مشکل ہے' اگر وہ چاہے تو دنیا کی بیش قیمت کار "رولز رائس" بخوبی خرید سکتا ہے۔ لیکن اس کے برعکس اس کے پاس ایک پرانی کار ہے جو اس نے سیکنڈ ہینڈ خریدی تھی۔ وہ اپنا سارا نفع دوبارہ اپنے کاروبار میں لگا دیتا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ لاکھوں روپیہ یونہی بے کار جمع کرنے سے اسے کوئی دلچسپی نہیں۔ وہ تو اس روپے سے زیادہ فلم بنانا چاہتا ہے۔

والٹ ڈزنی شہر کنساس میں رہا کرتا تھا اور وہ آرٹسٹ بننے کا بیحد خواہشمند تھا۔ لہٰذا وہ ایک دن "کنساس سٹی سٹار" کے دفتر میں کوئی ملازمت حاصل کرنے کے لئے گیا' اخبار کے ایڈیٹر نے اس کی کچھ ڈرائنگ دیکھ کر اس کی حوصلہ شکنی کی اور اسے کہا کہ اس کے اندر آرٹسٹ بننے کی کوئی صلاحیت نہیں' والٹ ڈزنی شکستہ دل واپس چلا آیا۔

آخرکار اسے گرجا گھروں کے لئے ڈرائنگ تصویریں وغیرہ بنانے کے لئے ایک معمولی تنخواہ کی ملازمت مل گئی۔ اس کے پاس اتنے پیسے بھی نہ تھے کہ اپنا الگ اسٹوڈیو بنا سکے' لہٰذا اس نے اپنے باپ کے گیراج کو بطور اسٹوڈیو استعمال کرنا شروع کر دیا' گیراج میں کام کرنا اس وقت اسے بیحد مشکل محسوس ہوتا تھا' لیکن اب وہ جان گیا ہے کہ پٹرول اور گیس کی بو

کے درمیان کام کرنے سے ایک ایسا خیال سوجھا تھا جس کی قیمت لاکھوں پاؤنڈ ثابت ہوئی۔

ہوا یوں کہ ایک دن جب والٹ ڈزنی گیراج میں بیٹھا کام کر رہا تھا تو ایک چوہیا گیراج کے ایک کونے میں سے نکل کر ایک تختی پر چڑھ کر کھیلنے لگی۔ ڈزنی کام چھوڑ کر اسے دیکھنے لگا۔ پھر وہ مکان کے اندر گیا اور تھوڑی سی ڈبل روٹی لا کر اسے کھانے لگا۔

جوں جوں دن گزرتے گئے وہ چوہیا اس سے مانوس ہوتی گئی' حتیٰ کہ وہ ڈزنی کی ڈرائنگ بورڈ پر چڑھ کر بیٹھی رہتی اور وہ اپنے کام میں مشغول رہتا۔

آخر کار والٹ ڈزنی ہالی وڈ چلا گیا اور وہاں "آسولڈ" خرگوش نامی متحرک کارٹونوں کا ایک سلسلہ شروع کر دیا۔ لیکن اس کا یہ سلسلہ بالکل ناکام ثابت ہوا' لہٰذا اس کے دن پھر فاقہ مستی میں گزرنے لگے۔

ایک دن وہ اپنے کمرے میں بیٹھا' کارٹونوں کا کوئی نیا سلسلہ شروع کرنے کے متعلق سوچ رہا تھا کہ اچانک اس کے ذہن میں گیراج والی چوہیا گھوم گئی۔ وہ اسی وقت اٹھا اور اس چوہیا کا خاکہ تیار کرنے لگا۔ اس طرح "مکی ماؤس" نے جنم لے لیا۔ شہرکنساس والی چوہیا کو مرے مدت ہو چکی ہے۔ لیکن وہ اپنے پیچھے ایک ایسی فلم چھوڑ گئی جس کا شمار دنیا کی بہترین فلموں میں ہوتا ہے۔ "مکی ماؤس" کو ہر روز اتنے خط آتے ہیں کہ دنیا کا مشہور ترین ایکٹر بھی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا اور اس کی شہرت ہر بڑے ایکٹر کی شہرت سے زیادہ ہے۔

والٹ ڈزنی ہفتے میں دو تین روز چڑیا گھر جانوروں کی آوازوں کا مطالعہ کرنے جاتا ہے۔ "مکی ماؤس" فلم میں اس نے چوہیا کی آواز خود نکالی تھی' اپنی دوسری فلموں میں بھی وہ دوسرے مختلف جانوروں کی آوازیں خود ہی پیدا کرتا ہے۔

والٹ ڈزنی آج کل اپنی فلموں کے لئے کوئی ڈرائنگ نہیں بناتا۔ نہ ہی وہ ان کے لئے کہانی لکھتا ہے' نہ ہی موسیقی ترتیب دیتا ہے۔ یہ سارا کام اب اس کا سٹاف کرتا ہے جو پانچ سو افراد پر مشتمل ہے۔

والٹ ڈزنی اپنا سارا وقت اپنی فلموں کے لئے نئے نئے خیال سوچنے میں گزار دیتا ہے' جب اس کے ذہن میں کوئی نیا خیال آ جاتا ہے تو وہ کہانی کے شعبے میں اس کے متعلق گفت و شنید کرتا ہے' تقریباً پچیس برس پہلے اس نے اپنے سٹاف کو ایک ایسی کہانی کے متعلق فلم بنانے کے لئے کہا جسے اس کی ماں بچپن میں کہانیوں کی ایک کتاب میں سے پڑھ کر سنایا کرتی تھی۔ اس کہانی کا نام تین چھوٹے سؤر اور ایک بڑا خراب بھیڑیا تھا۔" اس کے اسسٹنٹوں

Marfat.com

نے کہانی سن کر ڈزنی کا مذاق اڑانا شروع کر دیا۔ ڈزنی کا کہنا ہے کہ وہ اس کہانی کے متعلق فلم بنانے کے خیال کو ذہن میں سے نکالنے کی کوشش کرتا رہا۔ لیکن اسے محسوس ہوتا کہ یہ بات اس کے بس میں نہ تھی۔ بعد میں جب کبھی وہ اپنے سٹاف سے اس کہانی کے متعلق فلم بنانے کا ذکر کرتا' وہ اسے ہمیشہ یہی کہتے' یہ فلم سخت ناکام ثابت ہو گی۔

لیکن جب والٹ ڈزنی فلم بنانے پر مصر رہا تو اس کا سٹاف خاموش ہو گیا' وہ اس کی ہدایت کے مطابق فلم بنانے میں مصروف ہو گئے۔ لیکن کسی شخص کو اس فلم کی کامیابی کا یقین نہ تھا۔

"مکی ماؤس" فلم بنانے میں انہیں نوے دن لگے تھے لیکن تین چھوٹے سوؤروں پر وہ اتنا وقت ضائع نہ کرنا چاہتے تھے۔ لہٰذا انہوں نے ساٹھ دن میں فلم مکمل کر ڈالی۔ سٹوڈیو میں کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ یہ فلم کامیاب ہو گی۔ لیکن جب وہ فلم ریلیز ہوئی تو اس نے دنیائے فلم میں تہلکہ مچا دیا۔ تھوڑے ہی عرصے میں اس فلم کا یہ گیت "خراب بھیڑیئے سے کون خوفزدہ ہے۔" یورپ کے ہر کس و ناکس کی زبان پر تھا۔ بعض سینما گھروں میں وہ فلم سات سات مرتبہ دکھائی گئی۔ متحرک کارٹونوں کی تاریخ میں اس سے زیادہ کسی فلم کو شہرت نصیب نہ ہوئی تھی۔ اس فلم کی بدولت ڈزنی نے ساٹھ لاکھ پونڈ نفع کمایا۔ حالانکہ اسے تیار کرنے میں اس کے فقط پچیس ہزار پونڈ لگے تھے۔

والٹ ڈزنی کا یقین ہے کہ کامیابی کا راز اپنے کام سے محبت میں پوشیدہ ہے۔ وہ کہتا ہے کہ فقط روپیہ کمانے کا خیال اسے کبھی اچھا نہیں لگا۔ اس کا کام اس کے لئے ایک ولولہ انگیز حقیقت سے کم نہیں۔

"خراب بھیڑیئے سے کون خوفزدہ ہے۔" اس گیت کی دھن ڈزنی کے ملازم فرینک چرچل نے پانچ منٹ میں بڑے تساہلانہ انداز میں تیار کی تھی۔ اس گانے کی کامیابی کے فوراً بعد اسے مزید پانچ فلموں کے معاہدے مل گئے۔

○

Marfat.com

موجد

Marfat.com

آرول رائٹ

اس نے دنیا کی تاریخ کا رخ بدل دیا لیکن اس عظیم بات کا اسے احساس تک نہ ہوا۔

ساٹھ سال پہلے کی بات ہے کہ امریکہ کی ایک ریاست اوہیو میں ایک چھوٹا سا واقعہ ہوا۔ کم از کم اس وقت تو وہ معمولی ہی واقعہ دکھائی دیتا تھا۔ لیکن اب ہم جانتے ہیں کہ اس واقعہ نے ہم سب کی زندگی پر کس قدر گہرا اثر کیا ہے اور مستقبل میں یہ ہماری اولاد اور ان کے بچوں پر کس قدر گہرا اثر کیا ہے۔

اس یادگار دن کو آرول رائٹ اپنے شہر ڈیوئن کی لائبریری میں گیا اور اس نے وہاں سے ایک کتاب نکلوائی۔ اس کتاب میں لیلن تھال نامی ایک جرمن کی داستان حیات ورج تھی جو ایک بڑی پتنگ میں بیٹھ کر اڑا کرتا تھا۔ اس پتنگ میں کوئی انجن استعمال نہ کرتا تھا۔ لیکن اس کے باوجود اڑ سکتا تھا۔ اس رات آرول رائٹ صبح تک اس کتاب کے مطالعے میں مصروف رہا اور لیلن تھال کے اس معرکے نے اس پر ایک طرح کا جادو کر دیا۔ آرول رائٹ نے اس داستان کا ذکر اپنے بھائی ولبر سے کیا۔ دونوں بھائیوں نے مل کر ایک ایسا کام شروع کر دیا جو ہوائی جہاز کی ایجاد پر ختم ہوا اور جس نے ان کا نام زندہ جاوید بنا دیا۔

دونوں بھائیوں نے کوئی خاص تعلیم حاصل نہ کی تھی۔ وہ ہائی سکول تک بھی نہ پڑھے تھے لیکن ان کے پاس ایک ایسی چیز تھی جو تعلیمی سند سے کہیں زیادہ اہم تھی۔ وہ زندگی میں کوئی اہم کام کرنا چاہتے تھے ان کے ارادے بڑے بلند تھے۔ کئی سال پہلے جب وہ فقط لڑکے تھے تو وہ دیہات میں جا کر مردہ گھوڑوں اور بھینسوں کی ہڈیاں چنتے اور انہیں کھاد کی فیکٹری میں فروخت کر دیتے۔ پھر وہ لوہے کے ٹکڑے چنتے اور انہیں ایک کباڑیئے کے ہاں بیچ ڈالتے۔ بعد میں انہوں نے ایک چھاپہ خانہ بنایا اور ایک روزانہ اخبار شائع کرنے کی کوشش کی۔ لیکن ان کا یہ کاروبار ناکام ثابت ہوا۔ پھر انہوں نے سائیکلوں کی خرید و فروخت اور مرمت کی ایک چھوٹی سی دوکان شروع کر دی۔

Marfat.com

جسم اور روح کا رابطہ قائم رکھنے کے لئے وہ کچھ بھی کرتے رہے لیکن اس دوران فضا میں پرواز کرنے کی خواہش کبھی نہ بھولے۔ اتوار کے دن وہ اپنے چھوٹے سے شہر کے قریب ایک پہاڑی پر گھنٹوں لیٹے فضا میں محو پرواز عقابوں کو دیکھتے رہے۔

انہوں نے اپنی سائیکلوں کی دوکان کے اندر ایک ہوائی سرنگ بنائی اور پروں پر ہوا کے دباؤ کا تجربہ کرنے لگے۔ اس سلسلے میں انہوں نے بہت سی پتنگیں بنائیں' آخرکار انہوں نے ایک بہت بڑی پتنگ بنائی اور اسے پہاڑی پر لے گئے۔ یہ پتنگ انہوں نے کئی سال کے تجربے کے بعد تیار کی تھی اور اس میں اپنا بنایا ہوا ایک انجن لگا تھا۔ 17- ستمبر 1903ء کو انہوں نے اس مشینی پتنگ میں بیٹھ کر اڑنے کا فیصلہ کر لیا۔ یہ وہ دن تھا جب انسانی تاریخ میں ایک زبردست انقلاب آیا تھا لیکن اس روز ان کے پیش نظر یہ مسئلہ تھا کہ ان دونوں بھائیوں میں سے اس پتنگ میں کون بیٹھے۔ آخر انہوں نے ٹاس کیا اور آرول جیت گیا۔ وہ دن بڑا سرد اور دھوپ سے خالی تھا۔ تیز ہوا برف کے گالے فضا میں اچھال رہی تھی۔ اس قدر سردی کے باوجود آرول نے فقط سویٹر پہن رکھا تھا کیونکہ وہ یہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کی مشینی پتنگ پر زیادہ بوجھ پڑے۔

ٹھیک دس بج کر پینتیس منٹ پر آرول رائٹ مشینی پتنگ میں سوار ہو گیا۔ اس نے اندر بیٹھ کر مشین کو سٹارٹ کیا اور پتنگ چیختی چلاتی ہوئی ہوا میں اڑنے لگی۔ مشین کی پشت میں سے شعلے نکل رہے تھے۔ دس بارہ تاریخی سیکنڈ تک مشینی پتنگ ہوا میں اونچی نیچی اڑتی رہی اور پھر تقریباً ایک سو فٹ دور زمین پر اتر گئی۔

یہ ایک عظیم واقعہ تھا' یہ تمدن کی تاریخ میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتا تھا۔ آخرکار صدیوں پرانا خواب پورا ہو گیا۔ پہلی مرتبہ انسان زمین کی بیڑیاں توڑ کر ستاروں کی سمت اڑنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

اس کے باوجود آرول رائٹ کا کہنا ہے کہ اس عظیم واقعہ نے اس کے اندر کوئی جذباتی ہیجان پیدا نہ کیا۔ وہ کہتا تھا کہ یہ سب کچھ اس کی امید کے مطابق ہوا تھا۔ لہٰذا اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں۔

آرول رائٹ وہ پہلا شخص ہے جس نے ہوا میں پرواز کی تھی۔ لیکن بعد میں مرتے دم تک اس کے پاس پرواز کرنے کا لائسنس موجود نہ تھا۔ وہ کئی برس ہوائی جہاز میں سوار تک نہ ہوا۔

Marfat.com

اس کی کیا وجہ ہے؟ اس لئے کہ 1908ء میں جب کہ وہ ورجینیا میں ایک ہوائی جہاز چلا رہا تھا تو اس کے ہوائی جہاز کو حادثہ پیش آ گیا اور وہ زمین پر گر پڑا۔ اس کا ساتھی تو ہلاک ہو گیا لیکن آرول رائٹ کی ٹانگ پر سخت ضرب آئی۔ یہ چوٹ اتنی زبردست تھی کہ مرتے دم تک آرول رائٹ کو درد محسوس ہوتا رہا۔

وہ ایک شرمیلا آدمی تھا' اسے شہرت سے کچھ دلی نفرت تھی' اس لئے اس نے اپنی داستان حیات اپنے قلم سے لکھنی پسند نہ کی۔ وہ اخباروں اور رسالوں کے لئے اپنی تصویر بھی نہ دیا کرتا تھا' اور اخبار کے نمائندوں سے بات چیت کرتے وقت ہچکچایا کرتا تھا۔ وہ دونوں بھائی انکساری کے پتلے تھے۔ ایک دن ولبر نے اپنی جیب سے رومال نکالا اور اس کے ساتھ ہی ایک سرخ ربن زمین پر گر پڑا' جب اس کی بہن نے اس سے پوچھا کہ وہ کیا تھا تو اس نے بڑی بے نیازی سے جواب دیا۔ "اوہ! بہن تمہیں بتانا بھول گیا۔ یہ ربن کل شام کو فرانسیسی حکومت نے اعزازی طور پر مجھے دیا تھا۔"

آرول رائٹ اور ولبر دونوں مذہبی نقطہ نظر سے بڑے دقیانوسی واقع ہوئے تھے' وہ اتوار کے دن کبھی ہوائی جہاز میں سوار نہ ہوئے۔ ایک دفعہ اتوار کے دن سپین کے بادشاہ نے ان سے کہا کہ وہ اسے اپنے ہوائی جہاز میں سیر کرائیں۔ لیکن دونوں بھائیوں نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ اتوار کے دن انہوں نے کبھی ہوائی جہاز میں پرواز نہیں کی۔

دونوں بھائیوں نے شادی نہیں کی تھی۔ ایک دفعہ ان کے باپ نے کہا تھا کہ اس کے بیٹے بیویوں اور ہوائی جہاز میں جس چیز کو چاہیں چن سکتے ہیں۔ ان دونوں نے بیویوں کی بجائے ہوائی جہاز کو منتخب کر لیا۔

○

Marfat.com

البرٹ آئن سٹائن

اسے سکول میں سب سے کند ذہن لڑکا سمجھا جاتا تھا۔ اس کے ماں باپ اس سے کسی قسم کی امید نہ رکھتے تھے۔

چند برس پہلے کی بات ہے کہ میں جنوبی جرمنی کے ایک چھوٹے سے قصبے کی گلیوں میں گھوم رہا تھا کہ میرے ایک دوست نے جو میرے ساتھ تھا' اچانک رک کر ایک پرچون فروش کی دوکان کے اوپر ایک کھڑکی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا' "کیا آپ وہ بالا خانہ دیکھ رہے ہیں؟ آئن سٹائن یہیں پیدا ہوا تھا۔"

اسی دن تھوڑی دیر بعد میری ملاقات آئن سٹائن کے چچا سے ہوئی مجھے وہ کوئی غیر معمولی ذہانت کا مالک دکھائی نہ دیا۔ لیکن یہ کوئی عجیب بات نہ تھی۔ کیونکہ جب خود البرٹ آئن سٹائن بچہ تھا تو کسی کو بھی وہم و گمان نہ تھا کہ وہ اس قدر ذہین نکلے گا۔ آج کل وہ دور حاضر کا ذہین ترین مفکر سمجھا جاتا ہے۔ لیکن آج سے ساٹھ برس پہلے وہ ایک ست اور شرمیلا بچہ تھا' اس نے بولنا بھی بڑی مشکل سے سیکھا تھا' وہ اتنا کند ذہن تھا کہ اس کے استاد اس سے تنگ آ چکے تھے اور اس کے اپنے والدین اسے مخبوط الحواس سمجھتے تھے۔

لیکن چند برس بعد ایک سہانی صبح کو آئن سٹائن یہ معلوم کر کے حیران رہ گیا کہ وہ دنیا کے مشہور ترین لوگوں میں سے ایک ہے۔ یہ بات بالکل ناقابل یقین دکھائی دیتی تھی کہ ریاضی کے ایک عام سے پروفیسر کا نام پانچوں براعظموں کے ہزاروں اخبارات میں جلی حروف سے چھپے۔ وہ تسلیم کرتا ہے کہ شروع شروع میں یہ سب کچھ خود اس کی سمجھ میں بھی نہ آیا تھا' دوسرے لوگ تو سمجھنے سے قاصر تھے ہی۔ تاریخ انسانیت میں پہلے کبھی ایسا ہوا بھی نہ تھا۔

آئن سٹائن اتنا ہی عجیب و غریب تھا جتنا اس کا نظریہ اضافت۔ اسے ان تمام اشیاء سے نفرت تھی جن پر لوگ جان دیتے ہیں' مثلاً شہرت' دولت' عیش و عشرت۔ ایک دفعہ ایک بحری سفر کے دوران جہاز کے کپتان نے اسے جہاز کے سب سے آراستہ کمرے میں ٹھہرنے

کے لئے کہا مگر آئن سٹائن نے اس کی یہ پیشکش یہ کہہ کر مسترد کر دی کہ وہ کسی خاص عنایت کو قبول کرنے کے بجائے جہاز کے عرشے پر سفر کرنا زیادہ پسند کرے گا۔

جب آئن سٹائن نے اپنی پچاسویں سالگرہ منائی تو جرمنی کے لوگوں نے اس پر عنایات کی بارش کر دی۔ اس کا ایک مجسمہ تیار کیا گیا' اسے رہائش کے لئے ایک مکان اور سیر کے لئے ایک کشتی پیش کی گئی' لیکن چند برس بعد ہٹلر کے عہد میں اس کی جائیداد ضبط کر لی گئی' اور وہ اپنے گاؤں جانے پر مجبور ہو گیا' اس نے کئی ہفتے بلجیم کے ایک قید خانے میں گزارے جس کے دروازے پر رات کے وقت ایک سپاہی پہرہ دیا کرتا تھا۔

جب وہ نیویارک کے ایک کالج میں ریاضی کے پروفیسر کی حیثیت سے آیا تو وہ اخبارات کے رپورٹروں سے بچنا چاہتا تھا۔ لہٰذا جہاز سے اترتے ہی اس کے دوست خفیہ طور پر اسے ایک کار میں بٹھا کر لے گئے۔

آئن سٹائن کا کہنا ہے کہ اس کے نظریہ اضافت کو فقط بارہ آدمی سمجھتے ہیں' اگرچہ اس کی وضاحت کرنے کے لئے کوئی دس ہزار مضامین اور کتابیں لکھی جا چکی ہیں' وہ خود اضافیت کی تشریح اس سادہ مثال سے کرتا تھا۔ جب آپ کسی اچھی سی لڑکی کے پاس ایک گھنٹہ بیٹھیں تو آپ سمجھتے ہیں کہ آپ اس کے ساتھ فقط ایک منٹ بیٹھے ہیں۔ لیکن جب ایک جلتے چولہے پر فقط ایک منٹ بیٹھیں تو آپ خیال کرتے کہ آپ وہاں ایک گھنٹے تک بیٹھے رہے ہیں۔

آئن سٹائن نے دو شادیاں کی ہیں۔ پہلی بیوی سے دو لڑکے ہیں اور دونوں ہی بڑے ذہین تھے' مسز آئن سٹائن تسلیم کرتی ہیں کہ وہ اپنے شوہر کے نظریہ اضافت کو خود بھی نہیں سمجھتی' لیکن وہ اپنے شوہر کو ضرور سمجھتی ہے جو ایک بیوی کے لئے نہایت ضروری بات ہے۔

وہ کبھی کبھی اپنے احباب کو چائے پر مدعو کیا کرتی اور پھر اپنے شوہر سے کہا کرتی کہ وہ بھی ان کے ساتھ شامل ہو جائے' لیکن وہ تیز لہجے میں کہتا' نہیں بالکل نہیں' میں یہاں سے جا رہا ہوں' میں یہاں کام نہیں کر سکتا۔ اس قسم کی خلل اندازی میری قوت برداشت سے باہر ہوتی جا رہی ہے۔

اس کی بیوی خاموشی سے یہ سب کچھ سنتی رہی۔ جب وہ اپنے دل کا غبار نکال چکتا تو تھوڑی سی ڈپلومیسی سے کام لے کر اسے چائے کے کمرے میں لے آتی اور اس طرح اس

Marfat.com

کے ذہنی اور جسمانی آرام کے لئے کچھ وقت مہیا کرتی جس کی آئن سٹائن کو اشد ضرورت رہتی۔

اس کی بیوی فراؤ آئن سٹائن کا کہنا ہے کہ اس کا شوہر اپنی سوچ میں نو تنظیم کو پسند کرتا تھا۔ لیکن اپنی طرز حیات میں باقاعدگی اسے بالکل پسند نہ تھی۔ وہ جب کبھی جو کچھ کرنا چاہتا ہے' کر گزرتا ہے۔ اس کے طرز عمل کے فقط دو اصول تھے۔ پہلا' کسی قسم کا کوئی اصول نہ بنائیں۔ دوسرا' دوسروں کی رائے کی پرواہ نہ کریں۔

وہ بڑی سادہ زندگی بسر کرتا' وہ بغیر استری کئے ہوئے پرانے لباس میں گھومتا رہتا۔ شاید ہی کبھی ہیٹ پہنتا اور غسل خانے میں خوب گاتا اور سیٹیاں بجاتا' وہ نہانے والے ٹب میں بیٹھ کر شیو کرتا اور کبھی شیونگ صابن استعمال نہ کرتا۔ جس صابن سے وہ نہاتا' اس سے شیو بھی کر لیتا۔ یہ شخص جو کائنات کی گتھیاں سلجھانے میں مصروف تھا' کہتا تھا کہ دو قسم کا صابن استعمال کرنے سے زندگی بڑی پیچیدہ ہو جاتی ہے۔

آئن سٹائن نے مجھے ایک مسرور انسان کی حیثیت سے متاثر کیا ہے۔ اس کے نظریہ اضافت کے مقابلے میں اس کا فلسفہ مسرت میرے لئے زیادہ اہم ہے۔ وہ کہتا تھا کہ وہ خوش رہتا ہے۔ کیونکہ وہ کسی سے کچھ نہیں مانگتا' اسے نہ تو ستائش کی پرواہ تھی اور نہ ہی صلے کی۔ اس کی خوشی کے ذرائع بڑے سیدھے سادے تھے' مثلاً کشتی چلانا' وائلن بجانا وغیرہ۔

آئن سٹائن کی وائلن اسے زندگی کی ہر دوسری چیز سے زیادہ خوشی بخشتی تھی۔ وہ کہا کرتا' میں اکثر موسیقی میں سوچتا ہوں اور دن کے وقت خیالی پلاؤ بھی موسیقی ہی میں پکاتا ہوں۔"

ایک دفعہ برلن میں ایک ٹرام میں سفر کرتے ہوئے اس نے بے خیالی میں کنڈکٹر سے کہہ دیا کہ اس نے ریز گاری پوری نہیں دی۔ جب کنڈکٹر نے ریز گاری دوبارہ گنی تو وہ صحیح نکلی۔ اس نے ریز گاری دور جدید کے سب سے بڑے حساب دان کے ہاتھ میں تھماتے ہوئے کہا' "میرا خیال ہے آپ کو گنتی نہیں آتی۔"

○

Marfat.com

تھامس ایڈیسن

ڈاکٹر اس کے سر کی غیر معمولی ساخت دیکھ کر پیشگوئی کرتے کہ وہ پاگل ہو جائے گا۔

ایک دن مجھے نیویارک کے ہوٹل وینڈر بلٹ میں دوپہر کا کھانا کھانے کا اتفاق ہوا۔ جب میں نے کھانا کھانے سے پیشتر اپنا ہیٹ دوسرے لوگوں کی طرح اس ہوٹل کی ملازم ایک لڑکی کے سپرد کر دیا تو مجھے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ اس نے میرا ہیٹ بھی کمرے میں پڑے ہوئے دوسرے سینکڑوں ہیٹوں میں رکھ دیا اور اس پر کسی قسم کا شناختی نشان نہ لگایا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ دوسرے ہوٹلوں میں تو ہیٹ رکھنے پر شناختی کارڈ بھی ان کے ساتھ لگائے جاتے ہیں لیکن اس نے ایسا کیوں نہ کیا؟ کیا وہ غلطی سے ایک شخص کا ہیٹ دوسرے کو تو نہیں دے دیا کرتی؟ وہ مسکرا پڑی اور کہنے لگی، "ایسا کبھی نہیں ہو سکتا، ہوٹل میں ہر روز تقریباً دو سو لوگ کھانا کھانے آتے ہیں، وہ سبھی اپنے ہیٹ اور کوٹ مجھے دے جاتے ہیں، مجھے ان سب کی شکلیں یاد رہتی ہیں اور میں نے آج تک کبھی غلطی سے ایک شخص کا ہیٹ یا کوٹ دوسرے کو نہیں دیا۔ اس ہوٹل میں ملازمت کرتے مجھے پندرہ برس ہو چکے ہیں۔" جب میں نے منیجر سے اس بات کا ذکر کیا تو اس نے بھی لڑکی کے بیان سے اتفاق کیا۔

میرے خیال میں اگر اس لڑکی کی جگہ تھامس ایڈیسن ہوتا تو وہ لاکھوں پونڈ کی تنخواہ پر بھی یہ کام انجام نہ دے سکتا ایڈیسن کا حافظہ بے حد کمزور تھا، خاص طور پر جوانی میں۔ سکول کے زمانہ میں استاد اسے جو کچھ پڑھاتا وہ ایک دم بھول جاتا، اس کا شمار سب سے نکمے لڑکوں میں ہوتا تھا، اس کے استاد اس سے بیحد تنگ آ چکے تھے۔ ان سب کا متفقہ فیصلہ تھا کہ وہ بیحد کند ذہن ہے اور وہ کچھ لکھ پڑھ نہیں سکتا۔ ڈاکٹروں نے اس کے متعلق پیش گوئی کی تھی کہ عمر کے کسی حصے میں وہ ذہنی طور پر بالکل ناکارہ ہو جائے گا۔ کیونکہ اس کے سر کی شکل بڑی عجیب و غریب اور غیر معمولی نوعیت کی تھی۔ ایڈیسن اپنی ساری زندگی میں فقط تین مہینے سکول گیا۔ پھر اس کی ماں اسے گھر پر ہی پڑھانے لگی۔ اس کی ماں کا یہ کام ایک

معرکے سے کم نہ تھا۔ کیونکہ ایڈ-سن نے اس کی بدولت ہماری اس دنیا کو بدل کر رکھ دیا۔

لیکن ادھیڑ عمر میں تھامس ایڈ-سن کا حافظہ بے حد اچھا ہو گیا تھا اسے سائنس کے بہت سے فارمولے یاد رہتے تھے اور وہ اپنے موضوع کے سوا ہر بات بھول جاتا ہے۔ ایک دن وہ کسی سائنسی مسئلے کو حل کرنے میں بے حد مشغول تھا۔ اس سوچ کی حالت میں وہ اپنے مکان کا ٹیکس ادا کرنے متعلقہ دفتر چلا گیا' یہاں لوگوں کی پہلے ہی سے قطار لگی ہوئی تھی' وہ قطار میں کھڑا ہو گیا' جب اس کی باری آئی تو کلرک نے اس کا نام پوچھا۔ ایڈ-سن خاموش کھڑا ہٹر ہٹر اس کا منہ تکنے لگا۔ اسے اپنا نام ہی بھول گیا تھا۔ اس کا ایک ہمسایہ اس کے قریب کھڑا تھا۔ وہ اس کی پریشانی دیکھ کر اس کی مدد کے لئے آیا اور کلرک کو اس کا نام بتا دیا۔

ایک زمانے میں اس نے اپنا حافظہ بہتر بنانے کے لئے کئی عملی طریقے بھی اختیار کئے تھے۔

ایڈ-سن اپنی لائبریری میں رات گئے تک کام کرتا رہتا تھا' ایک صبح وہ ناشتے کا انتظار کر رہا تھا کہ اسے نیند آگئی اور وہ ناشتے کے انتظار ہی میں سو گیا۔ اس کے ایک اسسٹنٹ کو مذاق سوجھا وہ ابھی ابھی ناشتے سے فارغ ہوا تھا اور ناشتے کی خالی پلیٹیں اس کے سامنے رکھی تھیں' اس نے وہ پلیٹیں ایڈ-سن کے سامنے رکھ دیں چند منٹ بعد جب ایڈ-سن اٹھا تو اس کی نظر اپنے سامنے خالی پلیٹوں پر پڑی' وہ ایک لمحہ سوچتا رہا اور پھر اس نتیجہ پر پہنچا کہ سونے سے پہلے اس نے ناشتہ کر لیا ہو گا۔ لہٰذا وہ پلیٹوں کو ایک طرف سرکا کر کام میں مشغول ہو گیا۔

آساکرے مشہور امریکی ماہر نباتات کا حافظہ اس قدر اچھا تھا کہ اسے پچیس ہزار پودوں کے نام یاد تھے۔ اسی طرح جولی سیزر کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اسے اپنے ہزاروں سپاہیوں کے نام یاد تھے۔

چارلی چپلن نے سات سال تک اپنا ایک پرائیویٹ سیکرٹری اور پریس ایجنٹ ملازم رکھا ہوا تھا۔ وہ ہمیشہ چارلی چپلن کے ہمراہ سفر کرتا تھا۔ سات برس کے بعد جب وہ ملازمت چھوڑ کر گیا تو چارلی چپلن کو اس کا نام بھی نہ آتا تھا۔

دنیا کی دوسری سب سے بڑی یونیورسٹی "الازہر" قاہرہ میں ہے۔ اس یونیورسٹی کے میٹرک کے طلباء کو قرآن پاک حفظ کرنا پڑتا ہے۔ اس یونیورسٹی میں بیس لاکھ طلباء پڑھتے

Marfat.com

ہیں- کوئی طالب علم اس وقت تک پاس نہیں کیا جاتا- جب تک وہ قرآن پاک زبانی نہ سنائے-

لارڈ بائرن فخر کیا کرتا تھا کہ وہ اپنے تمام شعر زبانی سنا سکتا ہے- لیکن اس کے برعکس سر والٹس سکاٹ کا حافظہ بے حد کمزور تھا- ایک مرتبہ اس نے اپنی ایک نظم کی لوگوں کے سامنے اس خیال کے تحت کہ وہ بائرن کی لکھی ہوئی ہے' بیحد تعریف کی-

سر فرانس بیکن اپنی کتابیں اکثر زبانی لکھایا کرتا تھا- جب ابراہام لنکن کوئی چیز یاد کرنا چاہتا تو وہ اسے بلند آواز میں پڑھا کرتا تاکہ وہ اس کی حس سامع اور حس باصرہ پر مرتسم ہو جائے-

عظیم مؤرخ مکالے کا حافظہ میرے خیال میں سب سے زیادہ شاندار تھا' وہ کسی کتاب کا کوئی صفحہ دیکھ لیتا تو وہ اس کے ذہن پر نقش ہو جاتا' وہ کسی کتاب کا کوئی باب فقط ایک مرتبہ پڑھتا اور پھر لفظ بہ لفظ اسے دہرا دیتا- اس نے ملٹن کی غیر فانی تصنیف "جنت گم گشتہ" فقط ایک ہی رات میں ختم کر لی تھی-

تھیوڈور روزو یلٹ کا حافظہ بھی بڑا اچھا تھا- وہ لوگوں سے ملنے کا بڑا خواہشمند رہتا- وہ اپنے ملاقاتیوں کے چہروں کا بڑے غور سے معائنہ کرتا اور ان کے سامنے ان کا نام اتنی مرتبہ دہراتا کہ وہ ہمیشہ کے لئے اس کے ذہن میں محفوظ ہو جاتا- ایک مرتبہ وہ ایک جاپانی سے پندرہ سال بعد ملا- اس جاپانی کو یقین تھا کہ روزو یلٹ اس کا نام بھول چکا ہو گا- لیکن جب روزو یلٹ نے اس کی شکل دیکھتے ہی اس کے نام سے اسے مخاطب کیا تو وہ بے حد حیران ہوا' روزو یلٹ نے خراب سے خراب حالات میں بھی مطالعہ میں محو ہونے کی عادت خود کو ڈال رکھی تھی- اکثر یوں ہوتا کہ اس کے کمرے کے باہر لوگ مظاہرے کر کے بے حد شور و غل مچاتے لیکن جب اس کے آدمی اسے آکر ہنگامے سے مطلع کرتے تو وہ مطالعہ سے چونک کر کہتا کہ کیا بات ہے' باہر کوئی شور و غل ہو رہا ہے؟

جارج بڈر ایک بے حد دولت مند انگریز تھا' اسے فوت ہوئے کافی برس گزر چکے ہیں- جب وہ فقط دس برس کا تھا تو وہ دو منٹ میں زبانی حساب لگا کر بتا سکتا تھا کہ چار ہزار چار سو چالیس پونڈ پر چار ہزار چار سو چالیس دنوں میں ساڑھے پانچ فیصد سالانہ کے حساب سے کتنا سود بنے گا-

میچیگن میں "ریل روڈ جیک" نامی ایک شخص رہا کرتا تھا- اس کا حافظہ حیرت انگیز

تھا۔ بیس سال تک وہ ایک کالج سے دوسرے کالج کے طلباء کو حیران کرتا رہا۔ وہ کالج کی کینٹین میں جاتا اور وہاں بیٹھے ہوئے لڑکوں سے مخاطب ہو کر کہتا "میرا نام ریل روڈ جیک ہے، مجھ سے تاریخ کا جو واقعہ چاہو پوچھ لو، میں ٹھیک جواب دوں گا۔" ظاہر ہے لڑکے اس میں ایک دم دلچسپی لینے لگے۔ وہ اس سے بڑے عجیب و غریب سوال پوچھتے مثلاً جب سقراط نے شادی کی تو اس کی بیوی کی عمر کتنے سال کی تھی۔ اور وہ بڑی روانی سے جواب دیتا، سقراط نے چالیس سال کی عمر میں ایک انیس سالہ لڑکی سے شادی کی تھی، یا وہ پوچھتے کہ "سنگینیں سب سے پہلے کون سی لڑائی میں استعمال کی گئی تھیں۔" وہ ایک دم جواب دیتا، ستائیس جولائی سولہ سو اٹھانوے میں سکاٹ لینڈ کی جنگ "کل کرینکی میں" ظاہر ہے لڑکے اس سے بے حد متاثر ہوتے اور اس کی خوب خاطر تواضع کرتے۔

ہینری فورڈ اس کی قابلیت سے اس قدر متاثر ہوا کہ اس نے اسے ایک کار بطور تحفہ دی تاکہ وہ اس پر سفر کر کے تاریخ کے متعلق مختلف شہروں میں لیکچر دے۔ لیکن اس نے کار استعمال کرنے سے انکار کر دیا اور اپنے چھکڑے پر ہی سفر جاری رکھا۔ اس نے اپنے چھکڑے کے ایک طرف یہ الفاظ لکھے ہوئے تھے۔ "ریل روڈ جیک۔" "دنیا کا سب سے بڑا تاریخ دان۔"

○

مارکونی

جب اسے وائرلیس کی ایجاد پر پچاس ہزار پونڈ ملے تو اس نے سب سے پہلے ایک سائیکل خریدی۔

چند برس ہوئے خوش قسمتی سے مجھے ایک ایسے شخص سے ملنے کا اتفاق ہوا جس کا ہم سب کی زندگیوں پر جامع اثر ہے' اس نے ہماری دنیا کو بدل دیا ہے۔ اس نے آپ کے لئے یہ بات ممکنات میں شامل کر دی کہ آپ روئے زمین پر جہاں کہیں چاہیں ایک سیکنڈ میں اپنا پیغام بھجوا دیں۔ اس نے آپ کے لئے یہ چیز بھی ممکن بنا دی کہ آپ اپنے کمرے میں بیٹھ کر وائرلیس سیٹ کا ڈائل گھمائیں اور بکنگھم محل میں سے شہنشاہ کی تقریر سن لیں۔

ہم سب مارکونی کو ہمیشہ اطالوی سمجھتے ہیں' لیکن حقیقت میں فقط اس کا باپ اطالوی تھا' اس کی والدہ آئرلینڈ کی رہنے والی تھی مگر اس کا مکان لندن میں تھا۔ والدہ کی نسبت سے مارکونی کے بال بھورے اور آنکھیں نیلی تھیں' اور وہ ایک اطالوی کی بجائے انگریز زیادہ دکھائی دیتا تھا۔ وہ بڑی عمدہ انگریزی بولتا تھا' خاص لندن لہجے میں۔ بدقسمتی سے موٹر کے ایک حادثے میں اس کی دائیں آنکھ ہمیشہ کے لئے خراب ہو گئی تھی۔

جب میں اس سے گفتگو کرنے میں مصروف تھا تو مجھے یہ احساس بالکل نہ رہا تھا کہ میں دنیا کی ایک عظیم ترین شخصیت کے سامنے بیٹھتا ہوں' بچپن میں میں ایک ایسے اطالوی سائنس دان کے متعلق کہانیاں پڑھتا رہا تھا' جس نے وائرلیس' ٹیلی گرافی ایجاد کی تھی' اور اب وہ میرے سامنے بیٹھا تھا۔ یہ عظیم آدمی جس نے دنیا میں ایک معجزہ کر دکھایا تھا' میں خود کو ایک خواب جیسی کیفیت میں محسوس کر رہا تھا۔

میں نے اس سے پوچھا کہ اس نے ریڈیو کے تجربے میں کس طرح دلچسپی لینی شروع کی تھی' اس نے کہا کہ ایک نوجوان کی حیثیت سے وہ کوئی ایسا کام کرنا چاہتا تھا جس سے اسے اتنے روپے مل سکیں کہ وہ دنیا کی سیر کر سکے۔ اس نے مجھے یہ بھی بتایا کہ وہ اکثر اپنی ماں کے ہمراہ اٹلی سے اپنے عزیز و اقارب کو ملنے لندن آیا کرتا تھا' فرانس سے گزرنے کے بعد وہ

Marfat.com

ریل گاڑی کے ڈبے میں کھڑکی کے قریب بیٹھا برف پوش پہاڑوں اور تیز رو دریاؤں کو دیکھتا رہتا۔ یہ سب نظارے اس کے جذبات میں ایک ہلچل پیدا کر دیتے' اسے بچپن ہی سے سیاحی کا شوق تھا جو عمر کے ساتھ ساتھ تقویت پکڑتا گیا۔ بڑے ہو کر اس بجلی کے تاروں سے مختلف تجربے کرنے اور وائرلیس ٹیلیگرافی کے لئے اپنی زندگی وقف کرنے کا تہیہ کر لیا۔ اس نے سوچ رکھا تھا کہ اگر اس کا تجربہ کامیاب ہو گیا تو اسے اس قدر روپیہ ملے گا کہ دنیا بھر کی خوب سیر کر سکے گا۔ اس نے مجھے بتایا کہ کسی دفتر کے کمرے میں بیٹھ کر کام کرنا اس کے بس کا روگ نہ تھا۔ وہ طبقا" آزاد واقع ہوا تھا۔ مارکونی نے اپنا سارا تجرباتی کام ایک چھوٹی سی کشتی پر کیا' اس کشتی میں اس نے اپنی لیبارٹری بنا رکھی تھی' اسے سفر کرنے سے محبت تھی اور اس نے بحر اٹلانٹک کو ستاسی مرتبہ عبور کیا۔

مارکونی ابھی نوجوان ہی تھا کہ وہ اپنے گھر میں ایک کمرے سے دوسرے کمرے میں بے تار برقی پیغام بھیجنے میں کامیاب ہو گیا۔ پھر وہ دو میل تک پیغام بھیجنے لگا۔ اپنی اس کامیابی پر وہ بے حد خوش ہوا۔ اس کا باپ اسے بار بار کہتا تھا کہ وہ اپنا وقت ضائع کر رہا تھا۔ لیکن جب چند برس بعد نوجوان مارکونی اپنی ایجاد کو برطانوی حکومت کے پاس پچاس ہزار پونڈ میں فروخت کرنے میں کامیاب ہو گیا تو اس کا باپ اس سے بے حد متاثر ہوا۔ میں نے مارکونی سے پوچھا کہ جب پچاس ہزار پونڈ پہلی مرتبہ اس کے ہاتھ میں آئے تو اس نے کیا کیا۔ اس نے جواب دیا کہ سب سے پہلے اس نے بائیسکل خریدا تھا اور حسب معمول اپنے کام میں مشغول ہو گیا تھا۔ روپے کی نسبت اپنے تجربات کی کامیابی اس کے نزدیک زیادہ مسحور کن تھی۔

1901ء میں مارکونی کو یقین ہو گیا کہ اس کی زندگی کا عظیم خواب پورا ہونے کو ہے' لہٰذا وہ بحیرہ اٹلانٹک عبور کر کے بڑے اعتماد کے ساتھ امریکہ چلا گیا تاکہ برطانیہ میں قائم اپنے وائرلیس اسٹیشن سے وہاں پیغام حاصل کر سکے۔

نیو فاؤنڈ لینڈ میں اتر کر مارکونی نے ایریل کے طور پر ہوا میں ایک پتنگ بھیجی۔ یہ پتنگ ریشمی کپڑے اور بانس کی بنی ہوئی تھی۔ لیکن تیز ہوا نے پتنگ کے چیتھڑے کر دیئے۔ پھر اس نے ایک غبارہ فضا میں بھیجا۔ تند ہوا نے اسے پھاڑ کر سمندر میں پھینک دیا۔ آخر کار اس نے ایک مضبوط پتنگ بنا کر فضا میں کھڑی کر دی اور لندن سے پیغام سننے میں مصروف ہو گیا۔ وہ گھنٹوں دم سادھے لندن کے اسٹیشن سے آنے والے پیغام کے انتظار میں بیٹھا رہا لیکن کوئی پیغام نہ آیا اس کے وائرلیس میں کسی قسم کی آواز نے حرکت پیدا نہ کی' وہ بید

Marfat.com

مایوس ہوا، اسے معلوم ہو گیا کہ اس کا تجربہ ناکام ہوا ہے اور اس کی زندگی کا سنہری خواب جھوٹا نکلا ہے۔

تب اچانک اس نے ایک ہلکی سی آواز سنی، پھر دوسری اور پھر تیسری۔ ہاں ہاں یہی اشارہ اس نے لندن کے اسٹیشن والوں سے کرنے کو کہا تھا۔ تین نقطے "ایس" کے حرف کی علامت ٹھہرائے گئے تھے، جسے ٹیلی گراف اپریٹر استعمال کیا کرتے تھے۔ اپنی کامیابی سے مارکونی کا دل بلیوں اچھلنے لگا۔ وہ جانتا تھا کہ اس کے تجربے کی کامیابی دنیا میں ایک انقلاب برپا کر دے گی۔ اس کا جی چاہا کہ گھر گھر جائے اور گلا پھاڑ پھاڑ کر اپنی کامیابی کی خبر لوگوں کو سنائے، لیکن وہ ایسا نہ کر سکا، اسے ڈر تھا کہ لوگ اس کی بات پر یقین نہ کریں گے لہٰذا وہ اڑتالیس گھنٹوں تک خاموش رہا اور اپنا راز کسی کو نہ بتایا، لیکن پھر اس نے ہمت کر کے اپنی کامیابی کی اطلاع تار کر ذریعے لندن پہنچائی، وہاں ایک سنسنی پھیل گئی۔ پانچوں براعظموں کے اخباروں نے مارکونی کی کامیابی کی کہانی جلی حروف میں شائع کی۔ انسان نے ایک مرتبہ پھر زمان و مکان پر کامیابی حاصل کر لی تھی اور وہ ایک نئے دور کی دہلیز پر آ کھڑا ہوا تھا۔ وائرلیس ٹیلی گرافی نے جنم لے لیا تھا، کیا آپ جانتے ہیں کہ اس وقت مارکونی کی عمر کتنی تھی؟ فقط ستائیس برس۔ اپنی کامیابی کے فوراً بعد اسے بڑے بڑے لوگوں کے خط آنے لگے۔ ان لوگوں نے بڑی مضحکہ خیز شکائتیں کی تھیں۔ ان میں سے بعض نے لکھا تھا کہ برقی لہریں ان کے بدن میں سے گزرنے لگی ہیں، جو ان کے اعصاب پر سوار ہو کر انہیں رات بھر سونے نہیں دیتیں۔

ان لوگوں میں سے بعض نے مارکونی کو ہلاک کر دینے کی دھمکی دی تھی، ان میں سے ایک نے جو جرمن تھا، اسے خط لکھا تھا کہ وہ اسے ہلاک کرنے لندن آ رہا ہے۔ مارکونی نے وہ خط لندن کی پولیس کے حوالے کر دیا اور حکومت نے اس شخص کا داخلہ لندن میں ممنوع قرار دے دیا۔

ٹیلی ویژن کا معجزہ بھی وائرلیس کی بدولت ہے۔ یہ معجزہ آج سے کافی برس پہلے رونما ہو جاتا لیکن پہلی جنگ عظیم اس کے راستے میں حائل ہو گئی۔

○

Marfat.com

مہم باز

Marfat.com

ایڈمرل رچرڈ بارڈ

بارہ برس کی عمر میں وہ قطب شمالی جانے کی تیاریاں کرنے لگا۔ نیوی اسے لینے کو تیار نہیں تھی لیکن اب وہ ایک مشہور ایڈمرل تھے۔

1900ء کا ذکر ہے کہ ریاست ورجینیا کے شہر ونچسٹر میں ایک چھوٹا سا لڑکا اپنی ڈائری باقاعدہ طور پر لکھا کرتا تھا۔ ایڈمرل پرسی نے قطب شمالی میں پہنچنے کی خاطر جو جدوجہد کی تھی' اس کے متعلق مختلف کہانیوں سے وہ لڑکا بے حد متاثر ہوا تھا۔ 1900ء کے موسم خزاں میں اس لڑکے نے یہ الفاظ اپنی ڈائری میں لکھے۔ "میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ قطب شمالی میں پہنچنے والا پہلا شخص میں بنوں گا۔" اس کے فوراً" بعد اس نے اپنے اس عظیم معرکے کے لئے تیاریاں شروع کر دیں۔ اس نے بھرپور سردیوں میں گرم کپڑوں کی بجائے فقط بنیان اور انڈر ویئر پہننا شروع کر دیا تاکہ وہ اپنے اندر سردی کی شدت کو برداشت کرنے کی صلاحیت پیدا کر سکے۔

کئی برس بعد اس لڑکے نے اپنی ڈائری میں لکھے ہوئے الفاظ پورے کر دکھائے اور وہ قطب شمالی پہنچ گیا۔ حقیقت میں وہ پہلا آدمی تھا جس نے قطب شمالی پر بذریعہ ہوائی جہاز اولین پرواز کی تھی۔ قطب جنوبی پر اولین پرواز کرنے والا بھی وہی شخص تھا' اس کا نام رچرڈ بارڈ تھا۔

کمانڈر بارڈ نے اعلان کیا تھا کہ قطب جنوبی کے میدانوں میں جو کہ اس وقت برف سے ڈھکے ہوئے تھے' ان کے نیچے بڑی قیمتی دھاتیں موجود ہیں' اس کی یہ بات بعد میں سچ ثابت ہوئی۔ قطب شمالی سے چھ میل ادھر عمدہ کوئلے کی کانیں پائی گئی ہیں۔ بہت سے ماہرین اراضیات کا یقین ہے کہ قطب جنوبی کے میدانوں میں تیل کے وسیع ذخیرے موجود ہیں۔

بارڈ کی زندگی ایک ایسے لڑکے کی ولولہ انگیز مثال ہے جو اپنے اندر کوئی بہت بڑا کام کرنے کا ابدی جذبہ رکھتا ہو اور جس نے اپنے راستے کی ان گنت رکاوٹوں کے باوجود بڑے معرکے سر کیے۔

Marfat.com

اس کی اولین خواہش نہ تھی کہ وہ دنیا بھر کی سیر کرے اور نئے نئے ملک دیکھے۔ چودہ برس کی عمر تک پہنچنے سے پہلے وہ دنیا کے گرد چکر لگا چکا تھا اور یہ معرکہ اس نے کسی دوسرے کی مدد کے بغیر بذات خود سر کیا تھا۔ وطن واپس آکر اس نے کالج میں داخلہ لے لیا۔ کالج کے دنوں میں وہ اپنا زیادہ تر وقت مکہ بازی، پہلوانی اور فٹ بال پر صرف کرتا رہا۔ انہی کھیلوں میں اس کے ایک پاؤں کی ہڈی ٹوٹ گئی اور ایک گھٹنا خراب ہو گیا، وہ اس قدر لنگڑا کر چلنے لگا کہ حکومت نے اسے اٹھائیس سال کی عمر میں جسمانی طور پر ناکارہ ہونے کے سبب نیوی کی ملازمت سے ریٹائرڈ کر دیا۔ ذرا خیال کریں کہ اٹھائیس برس کی عمر میں جسمانی طور پر ناکارہ ہو جانے کے سبب ملازمت سے ریٹائرڈ ہو جانا کتنی تعجب انگیز بات ہے، اس کی جگہ اگر کوئی دوسرا آدمی ہوتا تو ہاتھ پاؤں توڑ کر اپنی شکست تسلیم کر لیتا۔

لیکن رچرڈ بارڈ نے حوصلہ نہ ہارا، اس کا کہنا تھا کہ آدمی کو کھڑا ہو کر جہاز نہیں چلانا پڑتا۔ وہ ہوائی جہاز چلائے گا اور اس میدان میں بڑے بڑے معرکے سر کرے گا۔ جہاز چلانے کے لئے لنگڑا ہونا یا گھٹنے کا خراب ہونا کوئی اہمیت نہیں رکھتا، لہٰذا اس نے ہوائی جہاز کا پائلٹ بننے کا ارادہ کر لیا اور اس میں کامیاب ہو گیا۔ حالانکہ جب وہ ہوائی جہاز چلانا سیکھ رہا تھا تو اس دوران اس کا جہاز دو مرتبہ زمین پر گرا، اور ایک مرتبہ اس کے جہاز کی ٹکر ایک دوسرے جہاز سے ہو گئی۔

اب اس کے اندر ہوائی معرکوں کا ولولہ بیدار ہو چکا تھا۔ وہ قطب شمالی کے منجمد میدانوں پر پرواز کرنا چاہتا تھا، جہاں اس سے پہلے کسی ہوا باز نے پرواز نہ کی تھی۔ جب بھی اس نے حکومت سے ایسا کرنے کے لئے درخواست کی، اسے نفی میں جواب دیا گیا بلکہ الٹا اس کا مذاق اڑایا گیا، ایک دفعہ اس نے حکومت سے کہا کہ وہ اسے ہوائی جہاز پر بحیرہ اٹلانٹک عبور کرنے کی اجازت دے دے۔ وہ تجربے کے طور پر ایسا کرنا چاہتا تھا، لیکن حکومت نے ٹکا سا جواب دے دیا۔

پھر اس نے حکومت سے درخواست کی کہ وہ ان ہوائی جہازوں میں سے ایک ہوائی جہاز اسے دے دے جن میں امنڈسن قطب شمالی پر پرواز کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ حکومت نے پھر اسے صاف صاف جواب دے دیا اور وجہ یہ بتائی کہ اب اس کی شادی ہو چکی ہے۔ حکومت کی طرف سے ان مسلسل مایوسیوں نے اس کا دل توڑ دیا۔ اس پر یہ ستم کہ اسے دوسری مرتبہ نیوی سے ریٹائر کر دیا گیا۔ اس مرتبہ اسے اس وجہ کی بنا پر ریٹائر کیا گیا کہ وہ لنگڑا ہو چکا

تھا اور اس کا ایک پاؤں کام کرنے کے بالکل قابل نہ رہا تھا۔

ممکن ہے رچرڈ بارڈ غلطی پر ہو، لیکن اس کے ذہن میں ایک عجیب خیال سمایا ہوا تھا۔ اس کا یقین تھا کہ ہمت اور ذہانت انسان کی ہر خامی پر حاوی ہو سکتی ہیں۔ لہٰذا اس نے پرائیویٹ کمپنیوں کو ترغیب دینی شروع کر دی کہ وہ اس کی مہموں میں اسے مالی مدد دیں۔ بعض کمپنیاں اسے مدد دینے پر متفق ہو گئیں جس کے بعد اس نے وہ کارنامے دکھائے کہ دنیا حیران و ششدر رہ گئی۔ اس نے بحیرہ اوقیانوس پر پرواز کی۔ اس نے ایک امریکی جھنڈا قطب شمالی پر پھینکا اور وہاں سے مڑ کر دوسرا جھنڈ قطب جنوبی پر گاڑ دیا۔ ان معرکوں کے بعد جب وہ اپنے وطن واپس آیا تو بیس لاکھ کے قریب خوشی سے دیوانے لوگوں کا ہجوم اس کے استقبال کے لئے کھڑا تھا۔ اتنا بڑا خوش آمدید روم کے لوگوں نے جولیس سیزر کو بھی نہ کیا ہو گا، جب کہ وہ پومپئی پر فتح حاصل کر کے واپس لوٹا تھا۔

انجام کار امریکہ کی حکومت نے اس نوجوان کو ایڈمرل کا لقب دیا وہ نوجوان جسے چودہ برس پہلے ریٹائر کر دیا گیا تھا۔

○

کولمبس

اس کے ساتھیوں نے تنگ آکر اسے قتل کرنے کا منصوبہ تیار کیا۔

ہر سال بارہ اکتوبر کو اہل امریکہ اپنی تاریخ کے سب سے اہم واقعے کا جشن مناتے ہیں۔ وہ واقعہ کیا ہے؟ کولمبس کا امریکہ دریافت کرنا۔ مگر لطف کی بات یہ ہے کہ کولمبس نے امریکہ بارہ اکتوبر کو نہیں تیئس اکتوبر کو دریافت کیا تھا' جو کیلنڈر ہم آج کل استعمال کرتے ہیں' اسے پوپ گریگوری نے رواج دیا تھا۔ کولمبس نے اس نئے کیلنڈر کا نام بھی سنا تھا۔ اس کے مرنے کے سو سال بعد یہ کیلنڈر رائج ہوا تھا۔ امریکی نوآبادیات نے اس کیلنڈر کو 1752ء میں اختیار کیا' اور اس موقع پر تاریخ بیک وقت گیارہ دن آگے کر دی گئی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ پرانا کیلنڈر دورہ آفتابی سے گیارہ دن پیچھے تھا' چنانچہ موجودہ کیلنڈر کے مطابق کولمبس نے امریکہ کو بارہ کی بجائے تیئس کو دریافت کیا تھا۔

نوجوانی میں کولمبس نے ایک قزاق جہاز پر سمندر کا سفر کیا تھا۔ یہ کوئی عجیب بات نہیں تھی' کیونکہ اس زمانے میں اعلیٰ سے اعلیٰ لوگ بھی اپنے لڑکوں کو قزاق جہازوں پر سفر کرنے کے لئے بھیجا کرتے تھے۔ اس سے لڑکوں کی خود اعتمادی بڑھتی تھی' وہ سمندر کی ہوا کھا کر صحت مند ہو جاتے تھے' دنیا کا دیکھنے کا موقع ملتا تھا اور تھوڑی بہت دولت کمانے کا بھی۔ قزاقی کا پیشہ ذرا بھی شرمناک نہ سمجھا جاتا تھا البتہ ایک عیب تھا۔ قزاقی کرتے ہوئے گرفتار ہو جانا سو عذابوں کے برابر تھا۔

لڑکپن میں کولمبس نے مدرسے میں نیشا غورث کی ایک کتاب پڑھی تھی جس میں لکھا تھا کہ دنیا گول ہے۔ اس طرح کولمبس کو ایک خیال ہاتھ آگیا' اس نے سوچا کہ اگر دنیا گول ہے تو ہندوستان پہنچنے کا شارٹ کٹ ڈھونڈا جا سکتا ہے۔ اگر وہ کامیاب ہو گیا تو وارے نیارے ہیں۔ لیکن یونیورسٹیوں کے عالم' پروفیسروں اور فلسفیوں نے اس کا مذاق اڑایا' "دیکھو یہ احمق سیدھا مغرب میں جہاز چلا کر ہندوستان جانا چاہتا ہے جبکہ ہندوستان مشرق میں ہے' یہ شخص ضرور دیوانہ ہے۔" انہوں نے اسے سمجھایا کہ دنیا گول نہیں ہے' ایسا سفر کرنا خودکشی

Marfat.com

کے مترادف ہے۔ مغرب میں چلتے چلتے ایک دن ایسا آئے گا کہ تمہارا جہاز دنیا کے سرے سے لڑھک کر لامتناہی خلاؤں میں گر جائے گا۔

سترہ سال تک کولمبس نے کوشش کی کہ کوئی اس مہم پر روپیہ لگانے کو تیار ہو جائے۔ لیکن سوائے ناکامی کے کچھ ہاتھ نہ آیا۔ آخرکار مایوس ہو کر وہ اپنا ارادہ ترک کرنے پر آمادہ ہو گیا اور اسپین کی ایک خانقاہ میں جا کر رہنے لگا۔ اس وقت تک اس کی عمر پچاس برس بھی نہ ہوئی تھی، مگر اتنی مصیبتیں اٹھانے اور دل شکستہ ہونے کی وجہ سے اس کے سرخ بال برف کی طرح سفید ہو گئے تھے۔

آخر روم سے پوپ نے ہسپانیہ کی ملکہ ایسا بیلیا پر زور دیا کہ وہ کولمبس کی مدد کرے۔ چنانچہ ملکہ نے اسے تیرہ پونڈ بھیجے۔ کولمبس کے پاس پھٹے پرانے کپڑے رہ گئے تھے۔ اس رقم سے اس نے نئے کپڑے اور ایک گدھا خریدا اور ملکہ سے ملنے روانہ ہو گیا۔ وہ اتنا غریب تھا کہ راستے میں اسے بھیک مانگنی پڑی۔

ملکہ نے اسے حسب ضرورت جہاز فراہم کر دیئے۔ لیکن اب ملاح بھرتی کرنے کا کام ناممکن نظر آیا۔ ہر شخص اس سفر پر جانے سے ڈرتا تھا۔ چنانچہ کولمبس گودی پر پہنچا اور اس نے چند ملاحوں کو بڑی دلیری سے پکڑ کر جانے پر مجبور کر دیا۔ اسی طرح اس نے کچھ کی منت سماجت کی، کچھ کو دھمکایا، کچھ کو رشوت دی۔ اس نے جیل سے مجرم تک نکلوائے اور کہا کہ اگر وہ ساتھ چلے تو انہیں آزاد کر دیا جائے گا۔

آخرکار سب کچھ تیار ہو گیا اور جمعہ کے دن 3- اگست 1492ء کو سورج نکلنے سے آدھ گھنٹہ پہلے کولمبس اپنے تین جہازوں اور اٹھاسی آدمیوں کے عملے سمیت اس سفر پر روانہ ہوا جس کا شمار تاریخ عالم کے اہم ترین اور عصر آفرین سفروں میں ہوتا ہے۔

جو نوآبادیاں کولمبس نے نئی دنیا میں قائم کی تھیں، ان کے مقدر میں ناکامی اور تباہی کے سوا کچھ نہ تھا۔ پہلی نوآبادی کے تمام افراد کو انڈینوں نے قتل کر ڈالا۔ دوسری نوآبادی کا گورنر کولمبس سے اتنا حسد کرتا تھا کہ اس نے کولمبس پر طرح طرح کے الزامات لگائے اور گرفتار کر کے پابہ زنجیر اسپین بھیج دیا۔ بیشک اسپین پہنچتے ہی اسے رہا کر دیا گیا مگر ان تمام باتوں سے پیدا ہونے والی جھنجلاہٹ اور مایوسی نے اس کا دل توڑ دیا۔

کولمبس نے ساٹھ سال کی عمر میں وفات پائی۔ جب وہ مرا تو کسی نے اس کی خبر نہ لی، تعظیم نہ کی، تعریفیں نہ کیں۔ وہ ایک میلے کچیلے بند اور تنگ کمرے میں مرا، اور اس کے

Marfat.com

کمرے کی دیواروں پر وہ زنجیریں لٹکی ہوئی تھیں جنہیں بحالت قید اس نے پہنا تھا۔ اس نے ان زنجیروں کو وہاں اس لئے لٹکا رکھا تھا کہ وہ اسے سنگین انداز میں اس دنیا کی احسان فراموشی اور ہیچ ہونے کی یاد دلاتی رہیں۔

کولمبس نے تاریخ کا ایک انتہائی حیرت انگیز اور جرات مندانہ کارنامہ انجام دیا تھا۔ لیکن اس سے اسے حاصل کیا ہوا؟ اسے یہ توقع تھی کہ وہ بے حد دولت مند ہو جائے گا۔ لیکن کنگال مرا۔ اس سے وعدہ کیا گیا تھا کہ "امیرالبحر اور ہندوستان کا وائسرائے کا خطاب اسے دیا جائے گا" لیکن اس کے باوجود اسے کوئی خطاب نہ ملا۔ حد تو یہ ہے کہ جو براعظم اس نے دریافت کیا تھا اسے بھی اس کے نام سے نہ پکارا گیا۔ اسے امیریگو و ۔سپوچی نامی نقشہ نویس کے نام سے پکارا گیا۔ سچ تو یہ ہے کہ ایک نئی دنیا دریافت کرنے کا صلہ اسے دل شکستگی اور رسوائی کی شکل میں ملا۔

اسے یہ اطمینان بھی نصیب نہ ہوا کہ وہ یہ جان لیتا کہ اس نے ایک نیا براعظم ڈھونڈ نکالا ہے۔ وہ یہ سمجھتا رہا کہ اس نے صرف ہندوستان جانے کا نیا راستہ ڈھونڈا ہے۔ اسی مغالطے میں اس نے امریکہ کے سرخ فام باسیوں کو انڈین کا نام دیا۔

بہرحال کولمبس کے حصے میں ایک بزرگی ضرور آئی' اسے امریکہ کو دریافت کرنے والا پہلا آدمی قرار دیا گیا' حالانکہ یہ بالکل غلط ہے۔ کولمبس سے ایک ہزار پہلے ایک راہب ہوئے' شن نے جو چین کا رہنے والا تھا' امریکہ دریافت کیا تھا اور کولمبس سے پانچ سال قبل لیف ایرک سن نامی ایک وائکنگ امریکہ پہنچنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ امریکہ کی ریاست میسا چوسٹین میں دریائے چارلس کے کنارے ان مکانوں کے کھنڈر اب بھی موجود ہیں جن کے متعلق تاریخ دانوں کا خیال ہے کہ ایرک سن کے بنائے ہوئے ہیں۔

تاریخ میں کولمبس کی ہمیشہ عزت کی جائے گی۔ کیونکہ وہ بے حد اولوالعزم شخص تھا' جس کا حوصلہ لحہ بھر کو بھی پست نہ ہوتا تھا۔ جب ہر شخص سفر جاری رکھنے کے مخالف تھا تو کولمبس اپنی بات پر اڑا رہا۔ جب اس کے ملاحوں پر دہشت غالب آگئی اور انہوں نے دھمکی دی کہ اگر جہازوں کو یورپ کی طرف موڑا نہ گیا تو وہ بغاوت کر کے اسے مار ڈالیں گے تو کولمبس کے پاس ان باتوں کا صرف ایک جواب تھا' "آگے بڑھے چلو! آگے اور آگے۔"

○

Marfat.com

ولفرڈ گرنفل

اس نے اپنی جان بچانے کی خاطر تین کتے ہلاک کئے اور ان کی کھال اپنے گرد لپیٹ کر ساری رات برفباری کا مقابلہ کرتا رہا۔

اگر خوش لوگوں کے بارے میں سوچا جائے تو دنیا کے مسرور ترین لوگوں میں سے ڈاکٹر گرنفل بھی تھا جس نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ لیبرا ڈور میں گزارا' اس کے بال بھورے' آنکھیں تھکی تھکی اور ہاتھوں کی جلد برف اور ٹھنڈی ہوا سے پھٹ چکی تھی۔ زندگی میں چار مختلف اوقات پر وہ برف کے تودوں میں پھنسا اور وہ ساری ساری رات تیرتی ہوئی برف پر گزارتا رہا۔ وہ لیبرا ڈور کی ہولناکیوں میں کئی مرتبہ گم ہوا اور بعض اوقات سردی اور برف کی شدت سے اس کا جسم منجمد ہوتے ہوتے بچا۔ بعض اوقات وہ اس قدر بھوکا ہوتا کہ اپنے بوٹوں کے تسمے وغیرہ کھا کر گزارہ کرتا۔

جب وہ فوت ہوا تو اس کی عمر ستر برس سے اوپر تھی اور اس کے پاس کوئی پیسہ نہ تھا۔

لیکن آپ ڈاکٹر گرنفل پر کسی قسم کا ترس نہ کھائیں' مجھے تو بالکل ترس نہیں آتا بلکہ میں الٹا اس پر رشک کرتا ہوں۔ کیونکہ اس نے زندگی میں وہ چیز حاصل کر لی تھی جس کی قدر و منزلت لوگوں کی نظروں میں بے حد ہے' یعنی خوشی اور اطمینان۔

پینسٹھ برس پہلے ڈاکٹر گرنفل نے آکسفورڈ یونیورسٹی سے ڈاکٹری کی سند حاصل کی' اور لندن کے فیشن ایبل علاقے مے فیئر میں مطب کرنے لگا' اس کی پریکٹس چلنے لگی اور وہ خوشحال ہو گیا۔ اگر وہ اسی رفتار سے اپنی پریکٹس جاری رکھتا تو تھوڑے ہی عرصہ میں اس کا شمار لندن کے اہم شخصیتوں میں ہونے لگتا۔ لیکن وہ مختصر عرصے کے لئے آرام کرنا چاہتا تھا۔ اس نے ماہی گیروں کے ملک لیبرا ڈور میں گرمی کی چھٹیاں گزارنے کا فیصلہ کر لیا۔

لیبرا ڈور ایک سرد اور ویران ملک ہے جو کینیڈا کے مشرقی ساحل کے ساتھ پندرہ سو میل تک پھیلا ہوا ہے۔ نیو فاؤنڈ لینڈ اس کے جنوب میں ہے اور آبنائے ہڈسن اس کے شمال میں۔ سال کے نو ماہ یہ بدقسمت ملک برف کے نیچے ڈھکا رہتا ہے۔ وہاں کی زمین بالکل بنجر

Marfat.com

ہے اور وہاں کے باشندے جو زیادہ تر ماہی گیر ہیں۔ اپنے مویشیوں کو وہیل مچھلی کی دموں اور سمندری جڑی بوٹیوں سے پالتے ہیں۔

ڈاکٹر گرنفل جب وہاں پہنچا تو اسے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ اس ویران ملک کے تیس ہزار باشندوں کے لئے وہاں ایک ڈاکٹر بھی نہ تھا۔

اس موسم گرما میں ڈاکٹر گرنفل سے جو کچھ بھی ہو سکا اس نے ان لوگوں کے لئے کیا۔ موسم خزاں کے شروع میں جب وہاں برف گرنی شروع ہوئی تو وہ واپس لندن لوٹ آیا۔ لندن پہنچ کر اس نے سوچا کہ اگر وہ امیر مریضوں کے لئے ساری زندگی نسخے لکھ لکھ کر روپیہ کماتا رہا تو اس سے اسے کوئی فائدہ نہ ہو گا۔ ڈاکٹر کی زندگی تو انسانیت کی بہبود کے لئے وقف ہونی چاہئے۔ لیبرا ڈور کی سیر نے اس کے سامنے ایک نیا راستہ کھول دیا تھا۔ اس کی زندگی میں ایک انقلاب آ گیا تھا۔ اس کے خیالات یکسر بدل چکے تھے' لیبرا ڈور اسے اپنی سمت بلا رہا تھا' لہٰذا وہ اپنا سارا سامان لے کر وہاں پہنچ گیا اور مکمل بیالیس برس لیبرا ڈور کی سختیوں کا مقابلہ کرتا رہا۔ ڈاکٹر گرنفل کے اس اقدام نے اسے دنیا کا عزیز ترین ڈاکٹر بنا دیا۔ انگلینڈ کے بادشاہ جارج نے اس کی بے لوث خدمات کے پیش نظر اسے "نائٹ" کا خطاب دیا۔

ایک دفعہ مجھے ڈاکٹر گرنفل سے ملنے کا اتفاق ہوا۔ وہ گھنٹوں مجھ سے اپنے غیر معمولی تجربات کا ذکر کرتا رہا۔ اس نے مجھے ایک ایسی بوڑھی عورت کا واقعہ سنایا جو برف سے پھسل پڑی تھی اور اس کی ایک ٹانگ ٹوٹ گئی تھی۔ آہستہ آہستہ اس کی ٹانگ خراب ہو گئی اور جب میں اسے دیکھنے گیا تو ٹانگ کی حالت خاصی بگڑ چکی تھی۔ میں نے ٹانگ کو کاٹ دینا بہتر خیال کیا' لیکن وہ مقدس بڑھیا جو بائبل کے اصولوں کی سخت پابند تھی' اس نے کلورو فارم سونگھنے سے انکار کر دیا۔ اس کا یقین تھا کہ یہ تکلیف خدا نے اس پر نازل کی ہے اور یہ اس کا مذہبی فرض تھا کہ اس درد کو بلا چون و چرا برداشت کرے۔ میں نے اسے سمجھانے کی بہت کوشش کی' لیکن اس پر کچھ اثر نہ ہوا۔"

جب میں اس کی ٹانگ کاٹنے لگا تو اس نے اپنے پانچوں جوان بچوں کو اپنے پاس بلا لیا تاکہ اسے پکڑے رکھیں۔ ٹانگ کاٹنے کے دوران اس نے اف تک نہ کی۔ زندگی کے اس تجربے نے مجھ پر اتنا گہرا اثر کیا کہ ناقابل بیان ہے۔ ان لوگوں سے مجھے پہلے سے بھی زیادہ محبت ہو گئی۔

لوگ لیبرا ڈور کے باشندوں کی مدد کے لئے ڈاکٹر گرنفل کو کپڑے اور کتابیں بھیجا کرتے

Marfat.com

تھے۔ کپڑوں میں شکاری کوٹ اور ہیٹ بھی ہوا کرتے تھے۔ ایک دفعہ ایک شخص نے اسے ایسی کتاب بھیجی جو سو سال پرانی تھی۔

لیبرا ڈور کے ماہی گیر بڑے توہم پرست' بڑے مذہبی واقع ہوئے ہیں۔ زمین بنجر ہونے کے باعث خوراک کی کمی کی وجہ سے وہ اکثر بھوکے رہتے ہیں۔ ایک دفعہ ڈاکٹر گرنفل ایک الگ تھلگ گاؤں میں گیا۔ اس نے دیکھا کہ اس گاؤں کے لوگ بھوک کے مارے قریب المرگ تھے۔ انہوں نے کئی ہفتوں سے سوائے سوکھی روٹی کے کچھ نہ کھایا تھا۔ ان کے پاس اپنے پالتو سؤر موجود تھے۔ لیکن وہ انہیں ذبح نہ کرتے تھے۔ ڈاکٹر گرنفل نے اس کی وجہ پوچھی تو انہوں نے بتایا کہ ایک دن وہ سؤر گاؤں کے گرجا گھر میں داخل ہو گئے اور وہاں سے انہوں نے مقدس بائبل کے کئی اوراق کھا لئے' اب ان لوگوں کے نزدیک وہ سؤر بھی مقدس ہو گئے تھے۔ ان کے اندر خدا داخل ہو گیا تھا اور وہ انہیں ہلاک نہ کرنا چاہتے تھے۔

ڈاکٹر گرنفل کی زندگی کا سب سے زیادہ ولولہ انگیز واقعہ 1908ء کے ایسٹر کی اتوار کو نمایاں ہوا۔ ساٹھ میل دور ایک آدمی بیمار ہو گیا۔ ڈاکٹر کو فوری طور پر وہاں جانا پڑا۔ وہ آدمی بے حد تکلیف میں تھا۔ اسے اپریشن کی ضرورت تھی۔ اگر اپریشن اگلے ایک دن میں نہ ہوتا تو اس کی موت واقع ہو جاتی تھی۔ لہٰذا ڈاکٹر گرنفل نے اپنی کتا گاڑی میں کتے جوتے اور منزل مقصود کی سمت روانہ ہو پڑا۔ وقت بچانے کی خاطر اس نے ایک چھوٹا راستہ اختیار کیا۔ یہ چھوٹا راستہ خلیج میں تیرتی ہوئی برف پر سے گزرتا تھا۔ جب ڈاکٹر اپنی کتا گاڑی کے ہمراہ اس برف کے ٹکڑے پر پہنچا تو اچانک ہوا کا رخ بدل گیا۔ برف کا تودا آہستہ آہستہ سمندر کی طرف سرکنے لگا۔ صورت حال بے حد نازک ہو گئی تھی۔ کتے گاڑی کے ہمراہ ایک دم یخ بستہ پانی میں کود پڑے اور ساحل کی سمت تیرنے لگے۔ لیکن اب دیر ہو چکی تھی' کتے برفیلے پانی میں غوطے کھانے لگے' ڈاکٹر گرنفل نے صورت حال کا جائزہ لیتے ہوئے جلدی سے جیب میں سے چاقو نکالا اور کتوں کی رسیاں کاٹ دیں۔ کتا گاڑی سمندر میں ڈوب گئی' لیکن ڈاکٹر اور کتے تیرتے ہوئے بڑی مشکل سے ایک دوسرے تودے پر پہنچ گئے۔ کتا گاڑی میں ڈاکٹر کے دوسرے گرم کپڑے پڑے تھے۔ گاڑی کے ہمراہ وہ بھی سمندر میں ڈوب گئے' اس کے پاس فقط وہی کپڑے تھے جو اس نے پہن رکھے تھے' لیکن وہ بھیگ چکے تھے اور ان میں سے برفیلا پانی نچڑ رہا تھا تلوار کی دھار جیسی تیز ہوا چل رہی تھی اور رات قریب تھی' سردی کے مارے ڈاکٹر کا جسم شل ہو رہا تھا' اس پر غنودگی کی حالت طاری ہو گئی۔ وہ جانتا تھا کہ سردی

Marfat.com

کی شدت سے وہ منجمد ہو رہا ہے اور اسی حالت میں تھوڑی دیر بعد اس کی موت واقع ہو جائے گی۔

اس کے لئے بچاؤ کی فقط ایک ہی صورت تھی' اس نے جیب سے چاقو نکالا اور تین کتے ہلاک کر دیئے۔ اس نے کتوں کی لاشیں ایک دوسرے کے اوپر رکھیں تاکہ ہوا کے راستے میں دیوار کھڑی کر سکے۔ اور ان کتوں کی کھال اپنے کپکپاتے ہوئے جسم کے گرد لپیٹ کر کتوں کی لاشوں کے سائے میں سکڑ کر لیٹ گیا' اتنے میں برف کا وہ تودہ بھی سمندر میں حرکت کرنے لگا۔ جب صبح ہوئی تو اس نے کتوں کی ہڈیاں لیں اور انہیں ایک دوسرے پر باندھ کر ایک بانس سا بنا لیا۔ اور اس کے اوپر والے سرے پر اپنی قمیض باندھ کر زور زور سے چلانے لگا' وہ کئی گھنٹے اپنی قمیض کو لہراتا رہا۔ لیکن اسے امید کی کوئی کرن دکھائی نہ دی۔ وہ ساحل سے بہت دور جا چکا تھا اور اسے یقین ہو چکا تھا کہ اس کی جان بچنے کی بالکل کوئی امید نہ تھی۔

اچانک اسے محسوس ہوا کہ جیسے اس نے صبح کی دھوپ میں سمندر کے اندر ایک چپو لہراتا ہوا دیکھا ہے۔ نہیں یہ کس طرح ممکن ہو سکتا ہے۔ یقیناً یہ اس کی نظر کا دھوکا تھا' پھر اسے دوبارہ چپو دکھائی دیا اب اس کا وہم یقین میں بدل گیا۔ ایک کشتی برف کا مقابلہ کرتی ہوئی اس تک آ پہنچی اور اس کی زندگی بچا لی۔

کتنا عجیب و غریب تجربہ ہے' کتنا عجیب و غریب وہ انسان تھا۔

جب میں نے ڈاکٹر گرنفل کی انسانیت پر مبنی خدمات کی تعریف کرنی چاہی تو انہوں نے مجھ سے کہا' "چھوڑیئے بھی! مجھے یونہی بڑا آدمی بنانے کی کوشش نہ کریں' یہ سب کچھ تو میں تفنن طبع اور انسانیت کی بھلائی کے لئے کیا کرتا تھا۔"

Marfat.com

ولهجالمر سٹیفن سن

اسے جوتے کا چمڑہ بے حد لذیذ لگا۔

ایک دفعہ میں تین گھنٹوں تک ایک ایسے شخص سے گفتگو کرتا رہا جس نے اپنی عمر عزیز کے گیارہ برس بحیرہ منجمد قطب شمالی کے راز دریافت کرنے میں صرف کر دیئے تھے۔ ان گیارہ برس میں چھ برس اس نے سوائے گوشت اور پانی کے کچھ کھایا پیا نہ تھا۔ اس شخص کا نام سٹیفن سن ہے اس کی شریانوں میں قدیم بہادروں کا خون جاری ہے۔

سٹیفن سن پہلا مہم باز ہے جس نے بحیرہ منجمد شمالی کی چھان پھٹک کرنے کا بیڑا اٹھایا۔ وہ اپنے ہمراہ کھانے پینے کے لئے کچھ نہ لے گیا تھا۔ فقط شکار پر گزر اوقات کرتا تھا۔

جب اس نے پہلے پہل بحیرہ منجمد شمالی جانے کا اعلان کیا تو لوگ اسے پاگل سمجھنے لگے۔ اسکیموؤں نے اسے تنبیہہ کی کہ وہ بھوکوں مر جائے گا' اسے اس چیز کی مطلق پرواہ نہ تھی۔ وہ ایک سائنس دان تھا اور بحیرہ منجمد شمالی کے ڈھکے چھپے بھیدوں کو منکشف کرنا چاہتا تھا' لہذا وہ اور اس کے ساتھی بندوقیں اور اسلحہ وغیرہ لے کر چل پڑے اور انہوں نے کئی ماہ بحیرہ منجمد شمالی میں تیرتی ہوئی برف پر گزار دیئے۔

ان میں سے برف کے بعض تودے ایک فٹ بال کے برابر تھے۔ اور بعض ایک جزیرے جتنے بڑے' بعض فقط چند انچ موٹے تھے اور بعض سینکڑوں فٹ موٹے۔ یہ سب تودے ایک ایسے سمندر میں تیرتے پھرتے تھے جو ایک میل سے تین میل گہرا تھا۔

اپنی مہم کے پہلے چالیس دنوں میں انہوں نے وہ سب کچھ کھا پی لیا جو اپنے ہمراہ لائے تھے۔ اس کے بعد وہ سؤروں کا شکار کر کے گزر اوقات کرنے لگے۔ وہ پینے کے لئے پانی کہاں سے حاصل کرتے تھے؟ وہ آگ جلاتے اور برف کو پگھلا کر پانی پیتے۔

کہانی کا حیرت انگیز حصہ اب شروع ہوتا ہے۔ سٹیفن سن اور اس کے ساتھی سمندر میں تیرتی ہوئی برف پر سفر کرتے کرتے سات سو میل آگے چلے گئے اور جیسا کہ لوگوں کا یقین تھا کہ وہ بعد کو مر جائیں گے۔ اس کے برعکس ان کے وزن میں کئی پونڈ کا اضافہ ہو گیا اور

Marfat.com

انہوں نے اگلے تین مہینوں میں ایک وقت بھی کھانے کے بغیر نہ گزارا۔

سٹیفن سن نے مجھے بتایا کہ بعض اوقات انہیں فقط کچا گوشت کھانا پڑتا تھا' بعض اوقات وہ ریچھ کے بال کاٹ کر بطور ایندھن استعمال کرتے اور اس پر گوشت پکاتے۔

ایک دفعہ سٹیفن سن کے ایک ساتھی کے پاس تمباکو ختم ہو گیا۔ اسے تمباکو کی اتنی شدت سے خواہش ہوئی کہ وہ تنگ آ کر اس کپڑے کو چومنے لگا جس میں اس نے تمباکو باندھ رکھا تھا' پھر اس نے پائپ توڑ ڈالا اور اس کے ٹکڑے چوسنے لگا۔

مہم بازوں کی زیادہ تعداد اپنا سامان خورد و نوش کتا گاڑیوں پر لے کر جاتی ہے۔ وہ زیادہ تر ایک ہی وقت کھانا کھاتے ہیں اور ان کے کتوں کی بڑی تعداد بھوکوں مر جاتی ہے۔ لیکن سٹیفن سن شکار کے سہارے دن گزارتا رہا۔ گیارہ برس جو اس نے بحیرہ منجمد شمالی پر بسر کیے' ان کے دوران اس کا ایک کتا بھی بھوک کے مارے ہلاک نہ ہوا۔ اگر یہ کہا جائے کہ اس کے کتے بھوک سے آشنا ہی نہ ہوئے تھے تو زیادہ موزوں ہو گا۔

بھیڑیوں سے کون خوفزدہ نہیں ہوتا؟ لیکن سٹیفن سن ان سے ہرگز نہ ڈرتا تھا۔ اس نے مجھے بتایا کہ اس نے کوئی درجن بھر کے قریب بھیڑیئے کھائے تھے اور اسے بھیڑیئے کا گوشت بہت لذیذ لگا تھا' وہ لوگ طرح طرح کا شکار کیا کرتے تھے' مثلاً جنگلی بطخیں' مرغابیاں' تیتر اور الو وغیرہ۔ ایک دفعہ ان کے درمیان یہ سوال پیدا ہو گیا کہ سب سے لذیذ گوشت کس چیز کا ہوتا ہے۔ زیادہ ووٹ الو کے گوشت کے حق میں دیئے گئے۔

ایک دفعہ انہیں کسی قسم کا شکار نہ ملا' جب بھوک نے شدت اختیار کی تو سٹیفن سن نے اپنے برفانی بوٹوں کا چمڑہ کاٹ کر اسے گرم پانی میں ابال کر کھا لیا اور آپ کو یہ سن کر حیرت ہو گی کہ یہ چمڑہ کھانے میں اسے بڑا لطف آیا۔ اس کا یقین ہے کہ کچے چمڑے کا ابلا ہوا ٹکڑا خاصا لذیذ ہوتا ہے اور اس کا مزہ سؤر کے پاؤں جیسا ہوتا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ برفانی علاقوں میں اونی کپڑوں کی بجائے چمڑے کے کپڑے پہننا زیادہ موزوں ہے تاکہ بھوک کے وقت چمڑے کو ابال کر بطور غذا استعمال کیا جا سکے۔

اگر آپ کے گھر میں پرانے جوتے پڑے ہیں تو انہیں سنبھال کر رکھ چھوڑیں' کوئی خبر نہیں کب ان کی ضرورت پڑ جائے۔

جب گیارہ برس کے بعد سٹیفن سن واپس آیا اور اس نے بتایا کہ وہ چھ برس تک فقط گوشت پر گزر اوقات کرتا رہا ہے تو بہت سے ماہرین غذا نے اس کی یہ بات جھوٹ پر مبنی

خیال کی، انہوں نے کہا کہ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔ سٹیفن سن نے اپنے الفاظ کی عزت رکھنے اور سائنس کے مفاد کے پیش نظر اعلان کر دیا کہ وہ ایک سال تک فقط گوشت پر زندہ رہ کر دکھائے گا۔ یہ تجربہ بڑے سائنٹیفک طور پر کیا گیا۔ ہر ہفتے اس کے خون کا باقاعدہ تجزیہ کیا جاتا۔ ایک سال کے بعد معلوم ہوا کہ گوشت نے اس پر کسی قسم کا برا اثر نہ کیا تھا۔ بلکہ گرمیوں میں گوشت کے سبب اسے زیادہ گرمی محسوس نہ ہوئی تھی۔

سٹیفن سن کا ایک ساتھی بھی اس تجربے میں اس کا شریک تھا۔ تجربہ شروع کرتے وقت اس کے خون کا دباؤ بلند تھا، اس کے بال گرتے تھے اور اسے ہمیشہ زکام رہتا تھا۔ لیکن تین ماہ کے اندر اندر اس کے خون کا دباؤ بھی ٹھیک ہو گیا اور بال گرنے بھی بند ہو گئے۔ زکام کی شکایت بھی جاتی رہی۔ اس ایک برس میں ان کے دانتوں کو بھی کسی قسم کی تکلیف نہ ہوئی۔ سٹیفن سن نے مجھے بتایا کہ اسکیمو زیادہ تر گوشت کھاتے ہیں، اس لئے انہیں کبھی دانت درد کی شکایت نہیں ہوئی لیکن جونہی وہ ہمارے جیسا کھانا کھاتے ہیں، ان کے دانت گرنے شروع ہو جاتے ہیں۔

○

ہوشیار لوگ

Marfat.com

برگھم ینگ

وہ فقط گیارہ دن سکول گیا اور انیسویں صدی کی ایک نمایاں شخصیت بن گیا۔

مورمون فرقے کے عظیم قائد برگھم ینگ نے ستائیس عورتوں سے شادی کی تھی اور اس نے ان سب کو مجبور کر دیا تھا کہ وہ ہر روز ایک ہی میز پر بیٹھ کر کھانا کھایا کریں اور ہر رات ایک ساتھ گھٹنوں کے بل جھک کر دعا مانگا کریں، اور وہ سالہا سال ان سے یہ کرواتا رہا اور اسے کسی بیوی نے ٹیڑھی آنکھ سے بھی نہ دیکھا۔

معاف کیجئے، کیا میں نے یہ لکھ دیا کہ اس نے "سب" بیویوں کو ایک ہی میز پر بیٹھ کر کھانا کھانے پر رضامند کر لیا تھا؟ خیر میں نے غلط بیانی سے کام لیا ہے۔ مجھے یہ کہنا چاہئے تھا کہ ایک کے سوائے سب کو رضامند کر لیا تھا۔ ایک بیوی کے بال سنہرے، آنکھیں نیلی اور رنگ گلابی تھا، لیکن اس کا ذکر میں آگے کہیں کروں گا۔

برگھم کو اتنی بیویوں کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ کیا وہ شہوت پرست بوالہوس انسان تھا جسے جسمانی خواہشات چین سے نہ بیٹھنے دیتی تھیں؟ نہیں، بالکل نہیں۔ وہ بہت ہی باضابطہ اور بے حد مذہبی آدمی تھا۔ اس نے ایک دفعہ اپنے وعظ میں کہا تھا، "میں عورتوں کی صحبت میں رہنے کی اتنی کم پرواہ کرتا ہوں کہ دنیا میں غالباً کم ہی لوگ اس سلسلے میں مجھ پر سبقت رکھتے ہوں گے۔"

بہرحال، مورمونوں نے "عہد نامہ عتیق" کو حرف بحرف قبول کر لیا تھا۔ انہوں نے پڑھا تھا کہ حضرت ابراہیمؑ، حضرت اسحٰقؑ، حضرت یعقوبؑ، حضرت سلیمانؑ اور حضرت داؤدؑ کی کئی بیویاں تھیں، اور ان کا یہ اعتقاد بھی تھا کہ خدائے تعالیٰ نے براہ راست وحی کے ذریعے انہیں حکم دیا تھا کہ وہ کئی کئی عورتوں سے شادی کریں اور نسل انسانی کو پھیلائیں اور

Marfat.com

بڑھائیں۔

برگھم ینگ نے ایک مرتبہ وعظ میں کہا تھا کہ جو آدمی بیویوں کی کثرت کے عقیدے پر ایمان نہیں لائے گا' اس کی کبھی بخشش نہیں ہو گی اور اس نے کنواروں سے بھی یہ کہا کہ اگر انہوں نے شادی نہ کی تو ان کی بخشش امر محال ہے۔

برگھم نے محسوس کیا کہ اسے اپنی امت کے سامنے اچھی مثال قائم کرنی چاہئے۔ چنانچہ ایک روز وہ صبح صبح گھر سے نکلا اور دوپہر کے کھانے سے پیشتر اس نے دو عورتوں سے نکاح پڑھوا لیا۔ اس کے بعد اس نے جلدی جلدی چند لقمے کھائے اور رات کے کھانے سے پیشتر دو اور عورتوں سے شادی کر لی اور کہا کہ آج کا کام ختم ہوا۔

جس دن برگھم نے ان چار عورتوں سے شادی کی' اس کی عمر چوالیس سال تھی اور اس کی ان چار بیویوں میں سے ایک صرف سترہ سال کی تھی۔ ایک دفعہ اس نے دو بیواؤں سے شادی کی' انہوں نے اپنے متوفی شوہروں سے یہ عہد کیا تھا کہ عالم بالا میں وہ انہیں کے ساتھ زندگی بسر کریں گی' چنانچہ برگھم نے واضح طور پر یہ شرط قبول کر کے ان سے شادی کی تھی کہ صرف اس دنیا میں اس کی بیویاں رہیں گی اور اگلے جہان میں دوبارہ اپنے شوہروں سے جا ملیں گے۔

بہت سی مورمون عورتیں برگھم ینگ سے شادی کرنا باعث فخر سمجھتی تھیں۔ مثال کے طور پر ایلنزا برجیس کو لے لیجئے جو سترہ سال کی انگریز لڑکی تھی' وہ دیوانہ وار اس کی محبت میں گرفتار ہو گئی۔ اس نے "عہد نامہ عتیق" میں پڑھا تھا کہ حضرت یعقوبؑ نے سات سال بغیر تنخواہ لئے کام کیا تھا' تب ان کی شادی ہوئی تھی۔ چنانچہ اس نے بھی سات سال بغیر کسی معاوضے کے برگھم کے گھر کام کرنے کی پیشکش کی' شرط طے تھی کہ برگھم وعدہ کرے کہ سات سال گزارنے کے بعد اس سے شادی کر لے گا۔ برگھم ویر مونٹ کے علاقے کا رہنے والا تھا۔ جہاں کے لوگ سودے بازی میں طاق ہوتے ہیں۔ یہ سودا بھی بڑا اچھا تھا اور اس نے ایلنزا کی تجویز مان لی۔ سات سال بعد ایلنزا کو جنت کی کنجیاں دے کر برگھم نے اپنی بیوی بنا لیا۔

برگھم چوبیس عورتوں سے شادی کر چکا تھا کہ وہ جنجال میں پھنس گیا حیرت کی بات تو یہ

Marfat.com

ہے---- خیر---- یہ جملہ آپ خود پورا کر سکتے ہیں' 1862ء کا ذکر ہے' جب امریکی خانہ جنگی ہو رہی تھی' برگھم اکسٹھ سال کا تھا اور اس کی ان چوبیس فتوحات کو مد نظر رکھتے ہوئے یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ اب وہ آرام سے بیٹھ کر انہی کامیابیوں پر قناعت کرے گا۔ لیکن اس کی ملاقات ایک بلونڈ (عورت جس کے بال سنہرے یا لال' آنکھیں نیلی اور رنگ گلابی ہو) عورت سے ہوئی اور بری طرح اس پر فریفتہ ہو گیا۔ اس کا نام امیلیا تھا۔ برگھم کا خیال تھا کہ امیلیا باقی سب عورتوں سے مختلف تھی۔ وہ یقیناً مختلف تھی' سبھی عورتیں ایک دوسرے سے مختلف ہوتی ہیں۔

امیلیا پچیس برس کی تھی' وہ بڑی دل آویز تھی۔ وہ پیانو بجانا جانتی تھی اور اپنا پیارا سا' ننھا منا منہ کھول کر دریائے رہائن کے متعلق گیت سنا سکتی تھی۔ برگھم کو اب اکثر کھانا تناول کرنا یاد نہ رہتا' رات کو اسے نیند نہ آتی۔ اس نے امیلیا کی منت سماجت کی کہ وہ اس سے شادی کر لے' مگر امیلیا کو عورتوں کی سب چالیں اور فریب آتے تھے۔ وہ ناک منہ چڑھا کر اپنی سنہری لٹیں جھٹک دیتی جتنا زیادہ برگھم نے اصرار کیا' امیلیا کی پس و پیش میں اتنا ہی اضافہ ہوتا گیا۔ آخرکار برگھم نے اسے جنت کی کنجیاں پیش کیں اور کہا کہ خدا کی مرضی یہی تھی کہ وہ برگھم سے شادی کر لے۔ چنانچہ امیلیا نے اس کی بات مان لی۔

یہاں سے جھگڑے کا آغاز ہوا۔ اس نئی بلونڈ نے جو پیانو بجانا اور دریائے رہائن کا گیت گا سکتی تھی۔ دوسری بیویوں پر امارت جتانا شروع کر دی۔ کیا کہا؟ ان رذیل گھٹیا عورتوں کے ساتھ رہوں؟ نہیں جناب امیلیا تو نہیں رہے گی۔ اس نے برگھم کو حکم دیا کہ اس کے لئے مکان بنایا جائے۔ یہ مکان برسوں یوٹاہ ریاست کی قابل دید عمارتوں میں شامل رہا۔

کیا وہ میز پر انہی کم اصلوں کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھائے گی' جو اس کے بارے میں فضول باتیں کرتی رہتی تھیں؟ نہیں جناب' امیلیا تو نہیں کھائے گی۔ آخر شاہانہ انکسار سے کام لے کر وہ ایک ہی کمرے میں کھانا کھانے پر رضامند تو ہو گئی مگر صدر مقام پر اس کی چھوٹی سی ذاتی میز علیحدہ چنی جاتی اور وہ برگھم کو بھی زبردستی اپنے ساتھ بٹھایا کرتی۔ افواہ یہ ہے کہ وہ تو چوزے اڑاتی تھی اور باقی بیویاں سور کے نمک لگے گوشت پر گزارہ کرتی تھیں۔

Marfat.com

برگھم کا بچپن سخت غربت میں گزرا تھا۔ لڑکپن میں اس نے اپنے چٹائی ہیٹ اپنے ہاتھ سے بنائے تھے۔ چنانچہ وہ بیویوں کے سامنے ہر وقت کفایت شعاری کے بارے میں تقریریں جھاڑتا رہتا۔ اس نے انہیں اون لا کر دی اور کہا کہ اپنے موزے آپ بنو اور انہیں دھمکایا کہ اگر انہوں نے مخمل کے ربن خریدے اور فیشن کے خبط پر اتنا زیادہ روپیہ خرچ کرنا بند نہ کیا تو وہ سب کو طلاق دے ڈالے گا۔

کیا امیلیا بھی اپنے موزے بنتی تھی؟ وہ تو اس بات کا بڑا مذاق اڑاتی تھی۔ وہ پیانو بجاتی اور ریشم اور ساٹن کے کپڑے، عطر اور زیورات خریدتی اور اپنی ذاتی گھوڑا گاڑی میں بیٹھ کر رعب ڈالنے کے لئے شہر بھر کے چکر لگاتی۔ جب برگھم کی بیویاں تھیٹر جاتیں تو امیلیا سب سے آگے بیٹھتی اور باقی سب اس کے پیچھے۔

اگر برگھم کے گھر میں بندوق رکھنے کی اجازت ہوتی تو میرا خیال ہے کہ ایک نہ ایک صبح امیلیا مقتول ملتی۔

برگھم نے ایک مرتبہ وعظ میں اعلان کیا کہ اگر اس کی امت کے کسی فرد کو کوئی پریشانی لاحق ہو، اور وہ اس سے مشورہ کرنے حاضر ہو تو برگھم بڑی خوشی سے اسے منشائے ایزدی سے آگاہ کر دے گا۔ ایک روز ایک پریشان بڑھیا نے برگھم سے کہا کہ اسے اس بارے میں خدا کی مرضی بتائی جائے کہ وہ سرخ لباس پہنے یا زرد۔ برگھم نے ایک منٹ غور کیا اور پھر کہا، "بہرصورت زرد پہنو۔" ایک اور بڑھیا آنسو بہاتی ہوئی بھاگی بھاگی اس کے پاس آئی کیونکہ اس کے شوہر نے اسے "جہنم میں جاؤ" کہہ دیا تھا۔ برگھم نے اس کا بازو تھپکا اور سنجیدگی سے کہا، "دیکھو مت جاؤ، مت جاؤ۔"

برگھم کے چھپن بچے تھے، اس کی محبوب بیوی کے دس بچے تھے، گیارہ بیویاں ایسی تھیں جو اولاد سے بالکل محروم رہیں۔ بعض مرتبہ برگھم کے یہاں ایک ہی مہینے میں تین بچے ہوتے۔ ایک مرتبہ اس کی دو بیویوں نے ایک ہی دن بچے جنے۔ جب اس کا آخری بچہ پیدا ہوا تو وہ اڑسٹھ سال کا تھا۔

میں شاید برگھم کی گھریلو زندگی کے بارے میں بہت بے ادبی سے ادھر ادھر کی ہانک رہا ہوں۔ لیکن برگھم کی زندگی کا ایک کہیں زیادہ وقیع پہلو ہے۔ اس نے پوری زندگی میں صرف

Marfat.com

ساڑھے گیارہ دن اسکول میں پڑھا تھا۔ اس کے باوجود انیسویں صدی کا ایک ممتاز لیڈر بن گیا ابراہام لنکن سیکرٹری آف سٹیٹ ولیم سیوارڈ کا دعویٰ تھا کہ امریکہ میں برگھم ینگ سے بڑا مدبر کبھی پیدا ہی نہیں ہوا۔

کس طرح یہ ورمونٹ کا خود آموز امریکی انسانوں کے ایک حیران و پریشان اور ستم زدہ گروہ کو بیل گاڑیوں اور بند چھکڑوں میں خشک تپتے میدانوں کے پار لے گیا۔ کس طرح اس نے ان انسانوں کو ایک بنجر اور ان دیکھے بھالے علاقے میں پہنچا دیا۔ صحرا میں پانی پہنچا کر گلزار کھلا دیئے کس طرح وہاں اس نے عظیم معاشی سلطنت کی بنیاد ڈالی اور خود کو ایک نئے دین کا پیشوا بنایا اور اس دین کو پروان چڑھا کر ہرے بھرے درخت کی طرح پھیلا دیا ---- ان سب کارناموں کی داستان ماضی کا ایک عظیم ڈرامہ ہے۔

Marfat.com

بگ جم کا گروہ

انہوں نے اپنے ساتھیوں کا انتقام لینے کی خاطر ابراہام لنکن کی لاش چوری کر لی، لیکن اس جرم کے عوض قانون انہیں سزا دینے سے لاچار رہا۔

کفن چوری کا ذکر ہمارے ہاں اکثر آتا ہے۔ گو اس کے واقعات شاذ ہی ہیں۔ لیکن بہت برس ہوئے، امریکہ میں کچھ لوگوں نے ایک تابوت چرانے کی کوشش کی تھی۔ یہ تابوت نہ کسی فرعون کی حنوط شدہ لاش کا تھا۔ جسے سونے اور جواہرات کے لالچ میں چرایا جاتا، اور نہ ہی چرانے والے کوئی پیشہ ور چور تھے، یہ ایک سادہ تابوت کی کہانی ہے جس میں امریکہ کے عظیم صدر ابراہام لنکن دفن ہیں اور اس کے چرانے والے اس زمانے کے چند جلساز تھے، جنہوں نے حکومت وقت سے انتقام لینے کے لئے یہ خطرناک اقدام کیا تھا۔

1876ء میں امریکی ریاست الی نائے میں جلسازوں کا ایک گروہ مصروف کار تھا۔ یہ لوگ جعلی نوٹ اور بل وغیرہ چھاپ کر اصلی نوٹوں کے ساتھ بازار میں چلاتے تھے اور اپنے ہنر اور تنظیم کے طفیل بہت امیر ہو چکے تھے۔ سرکاری روپے کے ساکھ کم ہو جانے کے سبب بنک اور پولیس بہت پریشان تھی۔ آخر بہت سی تگ و دو کے بعد خفیہ پولیس اس جتھے کے ایک فرد بن بائڈ کو گرفتار کرنے میں کامیاب ہو گئی۔ پولیس نے بائڈ کو رنگے ہاتھوں پکڑا تھا اس لئے جج نے اسے دس سال قید بامشقت کی سزا دی۔ اور اسے جیل میں بھجوا دیا۔ اس گرفتاری کے ساتھ ہی سارے جتھے کی سرگرمیاں ختم ہو گئیں۔ کیونکہ دراصل بائڈ ہی جعلی نوٹوں کے بلاک وغیرہ بنانے کا ماہر تھا۔ جب یہ لوگ اپنی ناجائز پونجی ختم کر چکے اور ان کی مالی حالت خراب ہونے لگی تو یہ سب جرائم پیشہ اپنے "سردار عظیم جم" کی سرکردگی میں بن بائڈ کو قید سے چھڑانے کی تدبیر کرنے کے لئے جمع ہوئے۔ ان لوگوں کی شوریٰ نے ایک تجویز سوچی۔ اس کے مطابق وہ جرم کیا جس سے سارے ملک میں غصے کی لہر دوڑ گئی اور امریکہ کے ایک کروڑ باشندوں کا لہو کھول اٹھا۔

Marfat.com

اس تجویز کے مطابق ان جعلسازوں نے یہ پروگرام بنا لیا کہ صدر لنکن کی نعش اور تابوت کو مدفن سے نکالا جائے اور راتوں رات تیز رفتار گھوڑا گاڑی کے ذریعے شمالی انڈیانا میں مشی گن جھیل کے کنارے لے جا کر اس دور افتادہ جگہ میں ریت کے ٹیلوں میں چھپا دیا جائے۔ جلد ہی گاڑی کے پہیوں کے نشان اڑتی ہوئی ریت سے ڈھک جائیں گے اور کسی کو کوئی سراغ نہ مل سکے گا' جب اس حادثے کا علم حکومت اور لوگوں کو ہو گا اور سارے ملک میں ایک ہنگامہ مچ جائے گا۔ تب یہ لوگ حکومت سے سودا بازی کریں گے کہ یا تو ان کے ساتھی کو رہا کر دیا جائے اور ساتھ ہی ضمانت کے طور پر دس لاکھ روپیہ دیا جائے' ورنہ لنکن کی نعش واپس نہ ہو گی اس تجویز میں مجرموں کی ہوشیاری اس بات سے بھی عیاں ہے کہ انہیں علم تھا کہ رائج قانون میں کسی نعش کو چرانا جرم قرار نہیں دیا جا سکتا تھا۔

اگر یہ سارا کام تجویز کے مطابق مکمل ہو جاتا تو یہ ثابت کرنے کے لئے کہ زر ضمانت کا مطالبہ کرنے والے وہی لوگ ہیں جنہوں نے نعش چرائی ہے ایک ترکیب سوچی گئی' طے پایا کہ ایک اخبار خرید کر اس میں سے کاغذ کا ایک ٹکڑا پھاڑ لیا جائے اور بقایا حصے کو موقع واردات پر ارادتاً" چھوڑ دیا جائے' قدرتی طور پر پولیس اخبار کے اس ٹکڑے کو بہت اہم سراغ سمجھ کر محفوظ کر لیتی اور بعد میں اس کے ساتھ کا دوسرا ٹکڑا جو چوروں کے پاس تھا پیش کر دینے سے یہ ضروری ثبوت مکمل ہو جاتا۔

6- نومبر 1876ء کی شام کو سب تیاریاں مکمل کر لینے کے بعد "عظیم جرم" کے جتھے کے لوگ لنکن کے قصبہ سپرنگ فیلڈ پہنچ گئے۔ یہی دن ریاستی انتخاب کی رائے شماری کے لئے منتخب کیا گیا تھا اور یہ اتفاق نہیں تھا بلکہ چوروں نے نہایت دانشمندی سے اس روز کو چنا تھا۔ جب علاقے کی ساری آبادی رائے شماری میں مصروف تھی اور جیتنے والے امیدوار اور ان کے ہمدرد شہر کے گلی کوچوں میں ناچتے گاتے' شور مچاتے اپنی فتح کا اعلان کر رہے تھے اور تمام سرکاری افسر اور پولیس انتخابات کی نگرانی میں مصروف تھی' اس وقت یہ چور آبادی سے دو میل باہر جنگل کے کنارے لنکن کے مقبرے میں اپنی تجویز کو لباس عمل پہنانے کے لئے اکٹھے ہوئے۔

ابھی تک سب حالات چوروں کے حق میں تھے اور انہوں نے کامیابی کے یقین سے سرشار ہو کر نہایت اطمینان کے ساتھ کام شروع کر دیا۔ پہلے لوہے کا دروازہ کاٹا' پھر اندر داخل ہو کر قبر پر سے مرمر کا تختہ الگ کیا اور سب نے مل کر چوبی تابوت کو جس میں لنکن

Marfat.com

کی نعش محفوظ تھی، کھینچ کر باہر نکالنا شروع کیا۔

اس مرحلے پر ان کے ایک ساتھی سویگ لینز کو باہر بھیج دیا گیا تاکہ گھوڑا گاڑی کو ہانک کر قریب لے آئے۔ گاڑی کو مقبرہ سے قریباً دو سو گز دور ایک سوکھے ہوئے نالے میں چھپا کر تیار رکھنے کی ذمہ داری سویگ لینز نے لے رکھی تھی۔

اب لطیفہ یہ ہے کہ یہ شخص سویگ لینز بدمعاشوں کے اس گروہ کا پرانا ممبر نہیں تھا' بلکہ کچھ ہی عرصہ قبل ان میں شامل ہوا تھا اور دراصل خفیہ پولیس کا ایک کارندہ تھا جو ان کی کاروائیوں کو مخبری کیا کرتا تھا۔

اس وقت اس نے کسی گاڑی یا گھوڑے کا انتظام نہ کر رکھا تھا بلکہ ان مجرموں کو عین موقع پر پکڑنے کے لئے مقبرے کے ایک حصے میں آٹھ مسلح سپاہی چھپائے ہوئے تھے۔ سویگ لینز سیدھا عمارت کے اس حصے کی طرف گیا اور پہلے سے مقرر کردہ اشارے کے مطابق دیا سلائی جلا کر سگار سلگایا اور آہستہ سے لفظ "واش" پکارا۔ اشارہ پاتے ہی آٹھوں سپاہی بھرے ہوئے پستول ہاتھ میں لئے سامنے آ گئے اور قبر کو چاروں طرف سے گھیرتے ہوئے چوروں کو للکارا اور اپنے آپ کو پولیس کے سپرد کر دینے کے لئے کہا۔ لیکن نہ تو گھپ اندھیرے میں کوئی آہٹ ہوئی' اور نہ ہی کسی نے جواب دیا۔ اس پر ان سپاہیوں میں سے ایک نے دیا سلائی جلائی اور اس کی مدھم روشنی میں دیکھا کہ قبر والا کمرہ بالکل خالی پڑا ہے اور تابوت جو اس وقت تک تقریباً نصف باہر کھینچا گیا تھا' اسی طرح نکا ہوا ہے۔

اس ناکامی پر پولیس بہت برافروختہ ہوئی۔ ادھر ادھر بھاگ دوڑ کر چوروں کی تلاش کی کوشش کی گئی لیکن دور دور تک ان کا نام و نشان نہ تھا۔ مقبرے کے باہر چاند کی ہلکی روشنی میں پولیس نے کچھ گولیاں بھی چلائیں۔ ہوا یوں کہ سویگ لینز کے جانے کے بعد اس کے باقی ساتھی بھی عمارت سے باہر آ گئے تھے' اور عمارت سے ذرا دور ہٹ کر ایک جگہ اندھیرے میں کھڑے ہو کر اس کا انتظار کر رہے تھے' جب اچانک پولیس نے گھیرا ڈالا اور ان کو موقع کی نزاکت کا احساس ہوا' تو بغیر کسی تاخیر کے وہ بلوط کے جنگل کی طرف فرار ہو گئے اور پولیس کے ہوشیار جاسوس ہاتھ ملتے رہ گئے۔

قریباً دس روز بعد پولیس نے ان کو شکاگو کے شہر میں گرفتار کر لیا اور انہیں ہتھکڑیاں لگا کر واپس لائے' واردات یعنی سپرنگ فیلڈ میں لایا گیا' جہاں حوالات میں ڈال کر ان پر سخت پہرہ لگا دیا گیا۔

Marfat.com

ابراہام لنکن کے بڑے بیٹے رابرٹ لنکن نے ان مجرموں کو سزا دینے کے لئے ملک کے قابل ترین وکیلوں کی مدد لی۔ لیکن جیسا کہ قبل ازیں لکھا جا چکا ہے۔ کسی نعش کا چرانا' کسی قانون کے تحت نہیں آ سکتا تھا۔ ان فاضل قانون دانوں نے صرف پچھتر ڈالر مالیت کے تابوت کو چرانے کی کوشش کے الزام میں مجرموں پر مقدمہ دائر کیا۔ چونکہ چوری کا فعل تکمیل نہ پا سکا تھا اور بظاہر مقدمے کی بنیادیں بہت کمزور تھیں' اس لئے کاروائی میں تاخیر ہوتی گئی اور بالاخر آٹھ ماہ بعد یہ کیس عدالت میں لایا گیا۔ اس اثنا میں عوام کا جوش سرد پڑ چکا تھا اور خواص کی دلچسپی کم ہو گئی تھی۔ اس لئے پہلی ہی پیشی پر بارہ ججوں میں سے چار نے مقدمہ خارج کر دینے کی سفارش کی لیکن استغاثے کے زور دینے پر دو تین اور پیشیوں کی سماعت کے بعد ججوں نے متفقہ طور پر ان جعلساز چوروں کو ایک سال قید بھگتنے کے لئے جولیٹ جیل میں بھیج دیا اور یوں یہ قصہ تمام ہوا۔

Marfat.com

پی- ٹی- بارنم

وہ خود کو "بکواس کا شہزادہ" کہلانے میں فخر محسوس کرتا تھا۔

امریکی تاریخ میں سب سے بڑا مسخرا اور سب سے زیادہ ہوشیار آدمی کون تھا؟ بلاشبہ ووٹوں کی اکثریت پی- ٹی- بارنم کے حق میں جائے گی- وہ دنیا کا مشہور ترین شومین تھا۔

بارنم خود کو "بکواس کا شہزادہ" کہلانے میں فخر محسوس کرتا تھا' اس نے "دنیا بھر کی بکواس" کے نام سے ایک کتاب بھی لکھی ہے- جب لوگ اسے دھوکا باز اور شیطان کہتے تو وہ خوشی سے پھولا نہ سماتا' لوگوں کو احمق اور الو بنانے میں اسے بڑا مزہ آتا تھا۔

سرکس کی دنیا میں بارنم کا نام سرفہرست آتا ہے- لیکن یہ حقیقت ہے کہ اس نے دنیا کی پہلی سرکس ساٹھ برس کی عمر میں بنائی اور اس کا نام بارنم اینڈ بیلی سرکس رکھا- جب وہ ستر برس کا تھا تو اس سرکس نے کام کرنا شروع کیا۔

بارنم نے ایک دفعہ کہا تھا کہ دنیا میں ہر ایک منٹ بعد ایک خون چوسنے والا ظالم انسان پیدا ہوتا ہے- اگرچہ اس نے سرکس کے ذریعے سے اسی لاکھ پونڈ کمائے' لیکن جہاں تک اس کی ذات کا تعلق ہے' وہ کبھی خون چوسنے والا ظالم انسان ثابت نہ ہوا۔

حقیقت میں وہ بڑا سادہ مزاج تھا- مثال کے طور پر جب وہ جوان تھا تو اس نے ایک دوسرے شخص کے ساتھ مل کر ایک ایسا مرکب تیار کرنے میں پانچ ہزار پونڈ لگائے جسے استعمال کرنے سے گنجے سر پر دوبارہ بال اگ آتے تھے- لیکن بارنم کا ساتھی اس کا روپیہ لے کر یورپ بھاگ گیا اور بارنم کے پاس اس مرکب کا نسخہ چھوڑ گیا۔

بارنم نے ایک دفعہ بائبل کے مصور نسخے فروخت کرنے کی کوشش کی' لیکن اس مرتبہ جو ایجنٹ اس نے مقرر کیا' اسے دھوکا دے گیا اور اسے پائی پائی کے لئے محتاج کر گیا۔

ایک دفعہ اس نے آگ بجھانے والے ایک آلے کے دائمی حقوق خرید لئے' لیکن وہ آلہ آگ بجھانے کے سوا ہر دوسرا کام کرتا تھا- آخر اس نے کلاک بنانے والی ایک فرم میں ایک لاکھ پونڈ لگا دیئے- لیکن وہاں بھی اسے دھوکا کھانا پڑا' اور اس کا دیوالہ نکل گیا- اس خبر

Marfat.com

نے سارے امریکہ میں سنسنی خیز لہر دوڑا دی۔

آخر اپنا سارا اثاثہ کھو دینے کے بعد اس نے "روپیہ کیسے کمایا جائے" کے نام سے ایک تقریر لکھی۔ اس تقریر کے ذریعے وہ ایک رات میں دو سو پونڈ کماتا رہا۔ یہ تقریر اس نے آکسفورڈ اور کیمبرج یونیورسٹیوں میں بھی کی۔

بارنم جب انگلینڈ میں تھا تو اس نے ایک دفعہ اعلان کر دیا کہ وہ اس مکان کو جس میں کبھی شیکسپئر رہا کرتا تھا' خرید کر اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے جہاز کے ذریعے امریکہ لے جائے گا اور براڈوے میں اس کی نمائش کرے گا۔ اس کے اس اعلان پر سارے انگلینڈ میں حقارت کی ایک لہر دوڑ گئی اور لوگ اس کے خون کے پیاسے ہو گئے۔

اپنی ساری چالاکی اور دانائی کے باوجود بارنم کبھی کبھی بے حد شکستہ دل ہو جاتا۔ ایک دفعہ لیور پول میں اسے اپنا وطن یوں یاد آیا کہ دھاڑیں مار کر رونے لگا۔

بارنم بڑا مخلص اور مذہبی آدمی تھا۔ ایک دفعہ اس نے شراب کی برائیوں پر ایک تقریر سنی۔ اگرچہ وہ متوسط درجے کا شرابی تھا لیکن اس نے گھر آ کر اسی وقت شراب کی تمام بوتلیں توڑ دیں اور اپنے دل سے وعدہ کیا کہ آئندہ کبھی شراب نہ پئے گا۔ پھر وہ اپنے احباب کے گھر گیا اور انہیں بھی شراب ترک کرنے کی ترغیب دینے لگا۔ اس کے بیس دوستوں نے اس کا کہا مان لیا۔

جب بارنم برج پورٹ میں رہائش پذیر تھا تو اس نے اپنے مکان سے اوپر ایک جھنڈا نصب کر رکھا تھا تاکہ اس کے دوستوں اور ملاقاتیوں کو معلوم ہو جائے کہ وہ گھر پر موجود ہے۔ اپنے عجائب گھر کی پبلسٹی کے لئے بارنم نے ایک ہاتھی اس مقصد کے لئے وقف کر دیا کہ جونہی ریل گاڑی ادھر سے گزرنے لگے' ہاتھی کو جوت کر ریل کی پٹڑی سے ملحقہ کھیتوں میں فوراً ہل چلانا شروع کر دیا جائے۔ ہاتھی جوتنے والے نے بڑے رنگ برنگے کپڑے پہن رکھے ہوتے۔ بارنم نے اسے ریلوے ٹائم ٹیبل کی ایک کاپی مہیا کر رکھی تھی۔ جونہی ٹرین ادھر سے گزرنے والی ہوتی وہ ایک دم ہاتھی کو جوت کر ہل چلانے لگتا۔ تمام مسافر یہ عجیب منظر دیکھنے کے لئے کھڑکیوں پر ٹوٹ پڑتے۔ تمام اخباروں نے یہ خبر جلی حروف میں شائع کی اور گھر گھر اس بات کا ذکر ہونے لگا' ہزاروں کسانوں نے وہ ہاتھی خریدنے کے لئے بارنم کو خط لکھے۔ اس طرح ہاتھی کے ساتھ ساتھ بارنم کے عجائب گھر کی مفت پبلسٹی ہوتی رہی۔

Marfat.com

بارنم نے اپنی سوانح حیات 1855ء میں لکھی اور پینتیس برس تک اس میں اضافے کرتا رہا۔ اس نے اپنی سوانح حیات کی ایک لاکھ جلدیں چار پنس فی جلد کے حساب سے خریدیں اور چار شلنگ فی جلد کے حساب سے فروخت کر دیں۔

ایک دن اس نے اپنے دفتر میں ایک بڑا سا صندوق دیوار کے ساتھ کیلوں سے نصب کر کے اس کے اوپر یہ حروف لکھ دیئے' "اے پی۔ ٹی۔ بارنم کی موت سے پہلے نہ کھولا جائے۔"

اس صندوق نے ایک سنسنی پیدا کر دی۔ اس کے ملازموں کا خیال تھا کہ بارنم ان کے لئے جائداد کا ایک حصہ چھوڑے جا رہا ہے' بہرحال جب صندوق کھولا گیا تو وہ اس کی سوانح حیات کی جلدوں سے بھرا ہوا تھا اور ایک کاغذ کے پرزے پر رقم تھا کہ یہ جلدیں اس کے ملازموں میں تقسیم کر دی جائیں۔

جب بارنم مرنے کے قریب تھا تو اخبار "ایوننگ سٹار" نے اس سے پوچھا کہ اگر اس کی موت سے پہلے اس کی موت کی خبر شائع کر دی جائے تو کیا وہ اعتراض کرے گا۔ بارنم نے جواب دیا' "بالکل نہیں بلکہ مجھے خوشی ہو گی۔"

اگلے دن بارنم نے اپنی موت کی چار کالمہ سرخی پڑھی' اور بڑا خوش ہوا۔

جب وہ فوت ہوا تو امریکہ کے اخبارات نے اس خبر کو سب سے زیادہ جگہ دی۔ اگر وہ زندہ ہوتا تو اس اعزاز پر کس قدر خوش ہوتا۔

موت سے پہلے اس کی زبان سے جو آخری لفظ نکلے تھے' وہ یہ التجا تھی کہ اسے بتایا جائے کہ اس روز "بارنم اینڈ بیلی" سرکس کی کیا آمدنی تھی۔

Marfat.com

جون لا

اس نے فرانس کو کنگال کر دیا لیکن جب مرا تو اس کے پاؤں میں پھٹے ہوئے جوتے تھے۔

دو سو برس پہلے کی بات ہے کہ جون لا نامی ایک غریب الدیار اور بے یار و مددگار انگریز فرانس میں گیا اور تھوڑے عرصے میں وہاں کا امیر ترین شخص بن گیا۔ بارہ برس بعد کا ذکر ہے کہ جب وہ فرانس سے بھاگا تو لوگوں کا ایک مشتعل ہجوم اس کی تلاش میں تھا جو اس کے خون کا پیاسا تھا' اور اگر وہ انہیں مل جاتا تو لوگ اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتے۔

اس شخص کی حرکات نہایت ولولہ انگیز اور حیرت ناک ہیں۔ اس کی عجیب و غریب سکیموں نے نصف قوم کو بھیک منگا بنا دیا۔ بارہ برس کی عمر میں جون لا بڑا ذہین ریاضی تھا جو ایڈنبرا میں اپنے پروفیسروں کو اپنی ذہانت سے ورطہ حیرت میں گم کر دیا کرتا تھا۔ سترہ برس کی عمر میں وہ بانکوں جیسا رنگ برنگا لباس پہنتا' اکڑ اکڑ کر چلتا اور منہ میں ہمیشہ نسوار رکھتا۔

جب وہ بیس برس کا ہوا تو ایک شیطانی جواری بن گیا۔ وہ تاش کے پتے جوڑنے میں بڑا ماہر تھا۔ چھبیس برس کی عمر میں اسے ایک بوڑھے آدمی کی محبوبہ سے محبت ہو گئی۔ بوڑھے نے جوش میں آکر اسے ڈویل لڑنے کی دعوت دی۔ وہ لندن کی کہر بھری گلیوں میں لڑے اور آخر جون لا نے اپنے رقیب کو ہلاک کر دیا۔

جون لا پکڑا گیا' اس پر قتل کا مقدمہ چلایا گیا اسے پھانسی کی سزا ہو گئی۔ لیکن پھانسی سے دو روز پہلے وہ اپنے قید خانے کے محافظوں کو شراب پلا کر قید خانے کی چار دیواری پھلانگ کر باہر نکل گیا اور فرانس بھاگ گیا۔

فرانس ان دنوں ایک عجب بحرانی شکنجے میں گرفتار تھا' لوگوں کے ہجوم بھوک اور نفرت سے دیوانگی کی حالت میں پیرس کی گلیوں میں پھرتے اور اپنے متوفی بادشاہ لوئی چہار دہم کے مجسموں کو زمین پر پٹکتے ہوئے نئی حکومت سے مطالبہ کرتے کہ انہیں بھوک اور تباہی سے بچایا جائے۔

Marfat.com

اس موقع پر جون لا اپنی دراز زبان اور انقلابی خیالات لئے فرانس آ پہنچا۔ اس نے حکومت کو کاغذی نوٹ شائع کرنے کی ترغیب دی۔ قیمتیں ایک دم چڑھ گئیں۔ کاروبار زیادہ نفع دینے لگا۔ جون لا کو ایک نہایت ذہین ہستی تصور کیا جانے لگا۔ اس نے حکومت کی مدد سے چین، ہندوستان، کینیڈا اور امریکہ میں تمام فرانسیسی نوآبادیوں سے تجارت کرنے کا اجارہ لے لیا۔

اب جون لا نے ایک نئی چال چلی۔ اس نے ایک کمپنی قائم کی اور اس کے حصے لوگوں میں فروخت کرنے کا اعلان کر دیا۔ یہ اعلان کچھ اتنا مسحور کن تھا کہ امیر غریب ہر کوئی اپنی اپنی پونجی لے کر جون لا کے گھر کی طرف دوڑا۔ چشم زدن میں اس کے گھر کے سامنے بہت بڑا ہجوم جمع ہو گیا اور لوگ حصے خریدنے کے لئے آپس میں یوں دھینگا مشتی کرنے لگے کہ بہت سے لوگ پیروں تلے روندے گئے۔

ادھر حکومت نے کاغذی نوٹ شائع کرنے جاری رکھے اور ادھر جون لا اپنی کمپنی کے حصص فروخت کرتا رہا، ملک میں خوشحالی کا دور دورہ ہو گیا۔ ہر کوئی امیر نظر آنے لگا۔ نوکر چاکر بھی سٹاک ایکسچینج پر جواء کھیلتے اور دوسرے دن لکھ پتی ہو جاتے۔

ایک دن ایک شہزادی تھیٹر میں گئی اور یہ دیکھ کر حیران رہ گئی کہ اس کے اگلے باکس میں اس کا سابق خانساماں بیش قیمت ہیروں کا لباس پہنے بیٹھا تھا۔

دیکھتے ہی دیکھتے پیرس کی آبادی میں تین لاکھ افراد کا اضافہ ہو گیا ہوٹل اور سرائیں بارکوں کی طرح لوگوں لوگوں پر ہو گئیں۔ افراط زر سے اشیاء کی قیمتیں چڑھ گئیں، تب خطرے نے اپنی پہلی ہلکی سی جھلک دکھائی کونٹی کا شہزادہ یہ صورت حال دیکھ کر غصے میں آ گیا۔ اس نے کاغذی نوٹوں کی تین گاڑیاں بھریں اور حکومت کے خزانے میں جا کر ان کے عوض سونا طلب کرنے لگا۔

دیکھا دیکھی لوگ حکومت کے بنک سے کاغذی نوٹوں کے عوض سونا نکلوانے لگے۔ جب سونا ختم ہو گیا تو بنک نے بھی ہاتھ کھینچ لیا۔ جون لا حکومت کا مشیر تھا۔ حکومت نے اسے ملازمت سے علیحدہ کر دیا۔ سارے فرانس میں ایک افراتفری پھیل گئی۔ جو لوگ جون لا کی کمپنی کے حصے خریدنے کے لئے بے تاب تھے، اب اپنا روپیہ واپس لینے کی خاطر اس کے مکان کی طرف دوڑے۔ چشم زدن میں وہاں لوگوں کا اتنا بڑا ہجوم ہو گیا کہ راستے کی ٹریفک رک گئی۔ لوگ آپس میں لڑنے جھگڑنے لگے جس کے باعث چودہ آدمی ہلاک ہو گئے۔

آخر لوگوں نے مشتعل ہو کر دریچوں کے راستے جون لا کے گھر میں پتھر پھینکنے شروع کر دیئے اور اسے ہلاک کر دینے کی دھمکی دینے لگے۔ وہ خوف سے تھر تھر کانپنے لگا اور آخر اپنا سارا خزانہ چھوڑ کر فرانس سے بھاگ گیا۔ حکومت نے اس کی کروڑوں کی جائداد ضبط کر لی' اس کی کتابیں گھر کا فرنیچر اور دوسرا سارا سامان فروخت کر دیا گیا۔ اس کی بیوی اور بچے کنگال ہو گئے۔ نو برس بعد جون لا جو کبھی بادشاہوں سے بھی زیادہ امیر تھا' وینس میں پائی پائی کو محتاج اور بے یار و مددگار اس دنیا سے اٹھ گیا۔ اس کے گھسے ہوئے جوتوں میں چھید پڑے ہوئے تھے اور اس کے پاس اتنے پیسے بھی نہ تھے کہ اپنے سرد کمرے میں چند لکڑیاں جلا کر اسے گرم کر سکتا۔

○

Marfat.com

رابرٹ ایل رپلے

وہ ایک چلتا پھرتا انسائیکلو پیڈیا ہے لیکن اپنا ٹیلی فون نمبر اسے کبھی یاد نہیں رہا۔

ذرا اندازہ تو کیجئے کہ دنیا میں سب سے زیادہ خطوط کس شخص کے پاس آتے ہیں۔ کلارک گیبل؟ نہیں۔ مائے ویسٹ؟ نہیں روڈلی والی؟ بالکل نہیں۔

میں ایک ایسے شخص کو جانتا ہوں جس کے پاس سال میں تقریباً دس لاکھ خط آتے ہیں اور 1932ء میں تو اسے دنیا کے ہر گوشے سے تیس لاکھ خط موصول ہوئے۔ اس کا یہ مطلب ہوا کہ ہر روز آٹھ ہزار خط' یا پھر جتنی دیر آپ نے یہ جملہ پڑھنے میں لگائی ہے' وہ اٹھائیس خط حاصل کر چکا ہو گا۔ جتنے لوگ اسے جھوٹا یا دروغ گو کہتے ہیں' شاید ہی کسی دوسرے شخص کو اتنے لوگوں نے کہا ہو گا اور لطف کی بات یہ ہے کہ وہ اپنا یہ لقب پسند کرتا ہے۔

ہزاروں خطوط پر اس کا نام نہیں ہوتا مگر وہ خطوط بھی اسے مل جاتے ہیں۔ ان پر فقط یہ لکھا ہوتا ہے۔ "یہ خط دنیا کے سب سے بڑے جھوٹے شخص کو ملے۔" آپ یقیں کریں یا نہ کریں۔ ڈاک خانے والے ایسے تمام خط رابرٹ ایل' رپلے کے گھر بھیج دیتے تھے۔

رابرٹ کا کام لوگوں کو حیران کرنا ہے اور اس کی گزر اوقات کا یہی ایک ذریعہ ہے۔ اس نے ایک دفعہ انسانی جلد پر لکھا ہوا ایک خط مجھے دکھا کر حیران کر دیا۔ دوسری دفعہ اس نے ایک انسانی بال پر لکھا ہوا خط دکھا کر حیران کے ساتھ پریشان بھی کر دیا۔ مجھے یقین نہ آتا تھا لیکن جب میں نے وہ بال ایک دوربین کے نیچے رکھا تو اس کی عبارت صاف پڑھی جانے لگی۔ اس پر لکھا تھا "رابرٹ ایل' رپلے کو پرجوش خوش آمدید۔"

رپلے نے مجھے بتایا کہ ایک دفعہ اسے رونک کوڈ زبان پر لکھا ہوا ایک خط ملا تھا۔ یہ زبان آج سے ہزاروں برس پہلے قزاق استعمال کیا کرتے تھے' اسے ایک دوسرا خط ملا جو ایک ایسی خفیہ زبان میں لکھا ہوا تھا جو آج سے سینکڑوں برس پہلے جاسوسوں کی زبان ہوا کرتی تھی۔

Marfat.com

پنسلوینیا کے ایک شخص نے رپلے کو چاول کے ایک دانے پر ایک خط لکھ کر بھیجا۔ ذرا خیال کیجئے' چاول کے ایک دانے پر۔ اس چاول کے دانے پر سات سو پندرہ لفظ لکھے ہوئے تھے' یعنی دو ہزار آٹھ سو ساٹھ حروف۔ ظاہر ہے آپ عام نظر سے یہ الفاظ نہیں پڑھ سکتے لیکن دوربین کی مدد سے میں نے انہیں بہ آسانی پڑھ لیا تھا۔

اس نے مجھ پر یہ حقیقت منکشف کر کے مجھے مزید حیران کر دیا کہ واٹرلو کی لڑائی واٹرلو کے مقام پر نہ لڑی گئی تھی اور پنسلوینیا کا نام ولیم پن کے نام پر نہ رکھا گیا تھا۔

اس نے مجھے یہ بتا کر میرے ہوش اڑا دیئے کہ اگر وہ مجھے نصف رات کو قتل کر دے اور جن لوگوں کو اس کے قتل کا پتہ چلے' اگر وہ بارہ منٹ کے اندر فقط دو دو آدمیوں تک یہ خبر پہنچا دیں تو صبح ہونے تک یہ ساری خبر ساری دنیا میں پھیل چکی ہو گی۔

ایک دن رپلے نے مجھے کہا' "اگر اپنے گھر پندرہ مہمان مدعو کریں تو انہیں زیادہ سے زیادہ کتنے مختلف طریقوں سے بٹھانے میں آپ کو کس قدر وقت لگے گا۔"

میں کچھ دیر زبانی حساب جوڑتا رہا اور پھر اس سے کہا کہ زیادہ سے زیادہ یہی کوئی دو گھنٹے صرف ہوں گے۔

تب اس نے مجھے بتایا کہ اگر وہ پندرہ مہمانوں کو ایک ہی کمرے میں مختلف طریقوں سے بٹھانے لگے تو اس کے پاس اتنے طریقے ہیں کہ ان سب کو استعمال کرنے کے لئے دو ارب سال کی ضرورت ہے۔

رپلے کے کارٹونوں کی طرح اس کی اپنی زندگی بھی ناقابل یقین ہے۔

اس کا باپ ایک بڑھئی تھا۔ اس نے اپنے بیٹے کو مطلع کر دیا کہ اگر وہ آرٹسٹ بنا تو ساری زندگی فاقوں مرے گا۔ بڈھا چاہتا تھا کہ اس کا بیٹا کوئی اور کام کرے۔

رپلے نے جب ایک کارٹونسٹ کی حیثیت سے زندگی کا آغاز کیا تو اسے یکے بعد دیگرے تین اخباروں میں تلخ تجربات کا سامنا ہو۔ ان تینوں اخبارات کے مالکوں نے تھوڑی مدت کے بعد اسے ملازمت سے برطرف کر دیا۔ مگر آج وہ اتنا امیر ہے کہ ان تینوں اخباروں کے مالک اگر اپنا سرمایہ جمع کر لیں تو پھر بھی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔

رپلے نے ڈرائنگ کی کوئی تربیت حاصل نہ کی تھی۔ لیکن آج دنیا میں اس کے کارٹونوں کی سب سے زیادہ نقل کی جاتی ہے۔

اس نے حضرت نوحؑ سے لے کر نپولین تک ہر بڑے آدمی کا مقبرہ دیکھنے کی خاطر

Marfat.com

ساری دنیا کی سیر کی ہے۔ لیکن آپ مانیں نہ مانیں۔ وہ آج تک گرانٹ کے مقبرے پر نہیں گیا جو اس کے گھر سے فقط تین میل کے فاصلے پر ہے۔

وہ ہمیشہ کردستان اور ٹانگانیکا جیسے دور افتادہ ملکوں کی سمت مائل سفر رہتا ہے۔ لیکن خواہ مانیں نہ مانیں وہ گذشتہ چھ برس میں نیویارک میں واقع اپنے دفتر میں فقط تین مرتبہ گیا ہے۔ آخر کیوں؟ اس لئے کہ اسے کاروبار سے نفرت ہے۔ اس نے اپنا کاروبار دوسرے لوگوں کے سپرد کر رکھا ہے۔ وہ اپنی ڈرائنگ ایک چھوٹے سے سٹوڈیو میں کرتا ہے۔

آپ کو وہ سٹوڈیو دیکھنا چاہئے۔ کاغذ' کتابیں' ڈرائنگ اور دوسری چیزوں کے انبار سٹوڈیو میں جگہ جگہ دکھائی دیں گے۔ یہ سب چیزیں آپس میں گتھم گتھا ہیں۔ ایسی بدنظمی میں تو میں ایک دن بھی کام نہیں کر سکتا۔ مگر رپلے ایک آرٹسٹ ہے اور اسے ایسی بدنظمی سے پیار ہے' وہ سارا دن پاجامے میں کام کرتا ہے۔

رپلے کو سپورٹس سے ہمیشہ دلچسپی رہی ہے۔ اس نے ایک کتاب ہینڈ بال اور دوسری مکہ بازی پر لکھی ہے۔ وہ بیس بال کا پیشہ ور کھلاڑی بھی رہ چکا ہے۔ وہ نیویارک جائنٹس کلب کا باقاعدہ ممبر تھا۔ لیکن ایک دفعہ بیس بال کھیلتے ہوئے اس نے اپنا بازو توڑ لیا۔ تب اس نے بیس بال چھوڑ کر کارٹون بنانے شروع کر دیئے۔

دسمبر 1918ء میں کرسمس سے ایک ہفتہ پہلے وہ اپنے دفتر میں بیٹھا کوئی کارٹون بنانے کے متعلق سوچ رہا تھا مگر اسے کوئی اچھا خیال نہ سوجھ رہا تھا۔ دو گھنٹے گزر گئے' اس کا ذہن ویسے کا ویسا خالی رہا۔ وقت مقررہ سے پہلے کوئی نہ کوئی کارٹون ضرور بنانا تھا۔ آخر تنگ آ کر اس نے دوڑوں کے متعلق ایک کارٹون بنایا اور اس کا نام "مانیں نہ مانیں" رکھ دیا۔

یہ اس کی زندگی کا انقلابی پہلو ثابت ہوا۔ وہ سنسنی خیز طور پر کامیابی اور شہرت کی راہ پر چل نکلا' مگر یہ نعمتیں اسے فوری طور پر حاصل نہ ہو گئیں۔

وہ "مانیں نہ مانیں" کے تحت ہفتے میں ایک کارٹون دس برس تک بناتا رہا۔ ان دس برس میں لوگوں نے اس کے کارٹونوں پر کوئی توجہ نہ دی۔ وہ تقریباً ناکام ہو چکے تھے۔ رپلے نے ایک دفعہ مجھ سے کہا تھا' آپ شہرت کے لئے دس برس تک تابڑ توڑ محنت کرتے رہیں' لیکن جب یہ حاصل ہوتی ہے تو دس منٹ بھی نہیں لگتے۔

یہی کچھ اس کے ساتھ بھی ہوا۔ ستمبر 1928ء میں اس نے ایک ایسا کارٹون بنایا جس نے لاکھوں آدمیوں کو حیران کر دیا۔

Marfat.com

جب اس نے یہ کہا کہ بحر اٹلانٹک پر بغیر رکے پرواز کرنے والوں میں لنڈ برگ ستر ستھواں شخص تھا تو امریکہ میں ایک ہنگامہ برپا ہو گیا۔ لوگ اس کے خلاف ہو گئے اور کہنے لگے کہ وہ اپنے اس سفید جھوٹ کی فوراً معافی مانگے۔ لیکن رپلے نے اپنے دفاع میں کہا کہ لنڈ برگ سے کئی برس پہلے براؤن اور الکاک بحیرہ اٹلانٹک پر نان سٹاپ پرواز کر چکے ہیں، اسی طرح برطانوی جہاز آر۔ 34 اور جرمن جہاز زیڈ آر۔ 3 جن میں اکتیس اور تینتیس مسافر بتدریج موجود تھے۔ بحیرہ اٹلانٹک پر سے پرواز کر چکے ہیں۔ اس لحاظ سے لنڈ برگ واقعی ستر ستھواں ہوا باز ہے جس نے اٹلانٹک پر بغیر رکے پرواز کی ہو۔

ولیم رنڈ ولف ہرسٹ اس کا یہ کارٹون دیکھ کر بہت خوش ہوا اور اس نے رپلے سے یہ معاہدہ کر لیا کہ وہ اس کے ہر اخبار کے لئے ہر روز ایک کارٹون بنایا کرے گا۔

اس طرح رپلے شہرت کی منزلیں طے کرنے لگا۔

اس سے اکثر یہ سوال پوچھا جاتا ہے کہ وہ کتنے عرصے تک اسی طرح کارٹون بناتا چلا جائے گا۔ کبھی نہ کبھی تو اس کا مواد ختم ہو گا، لیکن اس کے پاس اس قدر مواد جمع ہے کہ زندگی بھر ختم نہیں ہو سکتا۔ دنیا کے گوشے گوشے سے لوگ اسے خط لکھتے ہیں اور اسے حیرت ناک حقائق سے مطلع کرتے رہتے ہیں۔ رپلے نے مجھے بتایا کہ اس کے لئے دس لاکھ آدمی کام کر رہے ہیں۔

رپلے میں جس قدر عجیب و غریب باتیں موجود ہیں، شاید ہی دنیا کے کسی اور شخص کو معلوم ہوں لیکن اسے خود اپنے دفتر کے ٹیلیفون کا نمبر معلوم نہیں۔ پچھلے دنوں میں اس کے متعلق چند باتیں معلوم کرنا چاہتا تھا۔ وہ میرے قریب ہی بیٹھا تھا۔ اس نے کہا کہ وہ دفتر فون کر کے ابھی یہ باتیں معلوم کر دیتا ہے۔ مگر جب وہ فون کرنے لگا تو حیرت سے اس کا چہرہ عجیب سا ہو گیا، اسے اپنے دفتر کا فون نمبر معلوم نہ تھا۔ آخر اسے اپنے سیکرٹری کی مدد لینی پڑی۔

○

Marfat.com

ڈاکٹر ایس پارکس کاڈمین

دنیا کا نامور مذہبی مبلغ ہفتے میں دو تین جاسوسی ناول پڑھتا جب وہ پیدا ہوا تو ہمسائے کے ایک بزرگ کا خیال تھا کہ وہ بڑا ہو کر ڈاکو نکلے گا۔

جب میں نیویارک میں ہوتا تو اپنے گھر سے "مشرقی دریا" عبور کر کے گاہے گاہے گپ بازی کے لئے ایس پارکس کاڈمین کے پاس چلا جاتا۔ ڈاکٹر کاڈمین امریکہ کی ایک نامور شخصیت تھا۔ وہ ایک مشہور مبلغ اور ریڈیو مقرر تھا۔ اگر اسے براڈ کاسٹنگ کے بانیوں میں کہا جائے تو زیادہ موزوں ہو گا۔ وہ کئی برس ریڈیو پر بڑی باقاعدگی سے تقریریں کرتا رہا۔

اگر آپ خود کو بہت مصروف انسان سمجھتے ہیں تو ذرا غور سے سنیں کہ ڈاکٹر کاڈمین ایک دن میں کیا کچھ کیا کرتا تھا۔

وہ صبح سات بجے اٹھتا۔ اپنے سٹینو کو بیس تیس خط لکھواتا۔ پھر پندرہ ہزار الفاظ پر مشتمل اخبار کے لئے ایک مضمون لکھتا' کوئی وعظ تیار کرتا یا زیر تحریر کسی کتاب کا کوئی مضمون لکھتا۔ چھ سات گرجا گھروں میں جاتا۔ دو تین اجلاس میں شرکت کرتا۔ ایک یا دو تقریر کرتا۔ گھر واپس آتا۔ کوئی نئی کتاب ایک ہی نشست پر پڑھ ڈالتا۔ اور پھر رات کے دو بجے سونے کی تیاری کرنے لگتا۔

اس قسم کے پروگرام سے میرا تو سر چکرانے لگتا۔ لیکن ڈاکٹر کاڈمین مہینوں بلکہ برسوں اس پروگرام پر قائم رہتا۔ میں نے ایک دفعہ ان سے پوچھا کہ وہ اتنے مصروف پروگرام پر کس طرح کاربند رہتے ہیں تو انہوں نے جواب دیا "بالکل آسان ہے' میں پہلے سے منصوبہ بندی کر لیتا ہوں۔"

ڈاکٹر کاڈمین نے مجھے بتایا کہ کام کرنے کے سلسلے میں اس نے گلیڈ سٹون سے ایک بہت قیمتی سبق سیکھ رکھا تھا۔ جب گلیڈ سٹون برطانیہ کا وزیراعظم تھا تو اس نے اپنے دفتر میں چار میز لگا رکھے تھے۔ ایک میز پر وہ ادبی کام کرتا' دوسرے پر سیاسی' تیسرے پر خط و کتابت اور چوتھے پر مطالعہ کی کتابیں رکھی ہوتیں۔ گلیڈ سٹون کا تجربہ تھا کہ مختلف قسم کے

Marfat.com

کام کرنے سے انسان بیزار نہیں ہوتا اور کام بھی زیادہ کر سکتا ہے' لہٰذا وہ ایک میز پر کام کرنے کے بعد دوسرے میز پر منتقل ہو جاتا۔ ڈاکٹر کاؤمین بھی یہی نسخہ استعمال کرتا اور اس طرح کام سے بیزار ہونے کی بجائے ہر وقت تازہ دم رہتا۔

اس کا مطالعہ بھی مختلف موضوعات کی کتابوں پر مشتمل ہوتا۔ اگر آپ کے خیال میں ڈاکٹر ہر وقت مذہبی کتابیں پڑھتا رہتا تھا تو آپ غلطی پر ہیں۔ کھانے کی طرح وہ مطالعے میں بھی ورائٹی کا خیال رکھتا تھا۔ لہٰذا وہ ہفتے میں دو تین جاسوسی ناول ضرور پڑھتا۔ شریک ہوم کے ناول اسے بے حد پسند تھے اور اس کے نزدیک "باسکر ولز کا شکاری کتا" بہترین جاسوسی کہانی ہے۔ ایک دن میں اس کے یہاں گیا تو اس کے مطالعہ کے میز پر چار مختلف کتابیں پڑی تھیں۔ ایک خوراک کے متعلق تھی' دوسری ڈاکٹر گرنفل کی "رومانس آف لیبرا ڈور" تھی۔ تیسری "لوئی چہار دہم کے دربار کی یادگاریں" تھی اور چوتھی حال ہی میں چھپی ہوئی ایک نئی کتاب تھی۔

اس حیرت ناک شخص میں مجھے جو سب سے زیادہ حیرت ناک بات دکھائی دی ہے' وہ یہ ہے کہ جب یہ گیارہ برس کا تھا تو کوئلے کی کانوں میں کام کیا کرتا تھا۔ دس برس تک وہ روزانہ آٹھ گھنٹے زمین کے نیچے کام کرتا رہا تاکہ وہ اپنے چھوٹے بھائی اور بہنوں کا پیٹ پال سکے۔

اس وقت کسی کو خیال تک نہ تھا کہ وہ تعلیم حاصل کر سکے گا۔ پھر وہ دن بھی آیا کہ اس کا شمار امریکہ کے چند اعلیٰ لکھے پڑھے لوگوں میں ہونے لگا۔ اس نے ایک دفعہ مجھے بتایا کہ انگریزی ادب کی ہر شاخ کے متعلق وہ مناسب سمجھ بوجھ رکھتا ہے۔ جب وہ کوئلے کی کانوں میں کام کرتا تھا تو کوئلہ گاڑیوں میں لادنے کے سبب اسے دو تین منٹ ستانے کے لئے مل جاتے' وہ فوراً" اپنی جیب سے کتاب نکال کر پڑھنے لگتا۔ آپ جانتے ہیں کہ کوئلے کی کانوں میں کس قدر اندھیرا ہو جاتا ہے۔ اس کے باوجود وہ پرانی لالٹین کی روشنی میں پڑھتا تھا۔ دو منٹ میں بھلا کوئی کس قدر پڑھ سکتا ہے۔ اس کے باوجود وہ ہر وقت جیب میں کتاب رکھتا اور بعض اوقات کھانے کا وقفہ بھی کتاب کے مطالعے میں گزار دیتا۔

وہ جانتا تھا کہ کوئلے کی کان اور اس مکروہ زندگی سے نجات حاصل کرنے کا ایک ہی طریقہ ہے اور وہ یہ کہ جہاں تک ممکن ہو سکے' وہ کتابیں پڑھے۔ لہٰذا ان دس برس میں جو کتاب اس کے ہاتھ لگی' اس نے پڑھ ڈالی۔ ان دس برس میں اس نے ایک ہزار سے زائد

Marfat.com

کتابیں پڑھیں۔ دس برس کے بعد اس کے علم میں اس قدر اضافہ ہو چکا تھا کہ اس نے آنرز کے ساتھ امتحان پاس کیا اور ر یکمنڈ کالج کی طرف سے اسے وظیفہ مل گیا۔

ہر اتوار تقریباً پچاس لاکھ لوگ ڈاکٹر کاڈمین کا وعظ سنتے' اس کا شمار دنیا کے مشہور ترین مبلغوں میں ہوتا تھا' دنیا میں ہر جگہ لوگ اس کا وعظ سنتے۔ ایڈمرل بارڈ نے ایک دفعہ اسے قطب جنوبی ایک ریڈیو پروگرام بھیجا اور ساتھ یہ پیغام بھی بھیجا کہ قطب جنوبی میں وہ اور اس کے وعظوں سے بیحد لطف اندوز ہوتے تھے۔ لیکن جب ڈاکٹر کاڈمین پہلے پہل امریکہ آیا تو اسے ایک چھوٹے سے گاؤں میں ایک سو بیس پونڈ سالانہ تنخواہ پر ایک گرجے میں پادری کی ملازمت ملی۔ گاؤں کے لوگ اتنے غریب تھے کہ یہ تنخواہ دینے کی سکت بھی نہ رکھتے تھے اور اکثر روپے کے بدلے اسے سبزیاں اور پھل وغیرہ دے جاتے۔ ایک دفعہ ایک کسان اسے گھاس کا ایک گٹھا دے گیا۔

ڈاکٹر کاڈمین شروپ شائر کے ایک چھوٹے سے قصبے اولڈ پارک میں پیدا ہوا۔ پیدائش کے وقت ایک ہمسائے نے پیشگوئی کی تھی کہ وہ بڑا ہو کر ڈاکو نکلے گا۔

ڈاکٹر کاڈمین نے مجھے بتایا کہ جس شخص کی زندگی سے وہ سب سے زیادہ متاثر ہوا تھا وہ ابراہام لنکن تھا۔ تھیکرے اس کا محبوب ناول نگار تھا اور ورڈز ورتھ اس کا محبوب شاعر۔

○

Marfat.com

لوول ٹامس

وہ دنیا کا واحد شخص ہے جس نے پہلے ہوائی جہاز اور بعد میں کار چلانا سیکھی۔

چند برس کی بات ہے کہ ویسٹرن یونین ٹیلیگراف کمپنی نے ریڈیو پر اعلان کیا کہ فلاں شام کو جن لوگوں نے لوول ٹامس کو تار بھیجنے ہوں' بالکل مفت بھیج سکتے ہیں۔ اس شام تمام امریکہ کے تار بجنے لگے اور لوول ٹامس نے اس شام ایک گھنٹے کے اندر اندر اڑھائی لاکھ تار حاصل کیے۔

جن شخصیتوں سے میں آج تک ملا ہوں' لوول ٹامس ان میں سے سب سے زیادہ غیر معمولی مزاج کا مالک ہے۔ اس نے اس قدر زیادہ کتابیں لکھی ہیں کہ بہت سوں کے نام بھی اسے یاد نہیں رہے۔ ہر وہ ملک جہاں انگریزی بولی اور سمجھی جاتی ہے' اس کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں۔

میں نے لندن میں اکثر دیکھا ہے کہ جس ہال میں لوول ٹامس نے تقریر کرنی ہوتی ہے' لوگ وہاں گھنٹوں پہلے میل میل لمبی قطار باندھے ٹکٹ خریدنے کے انتظار میں کھڑے رہتے ہیں۔ لوول ٹامس کی تقریر اور اس کے مسحور کن تجربات سننے کے لئے بے تاب ہوتے ہیں۔

ایک وہ بھی زمانہ تھا کہ لوول ٹامس مختلف نوعیت کے کام کر کے اپنی گزر اوقات کیا کرتا تھا۔ وہ سونے کی کانوں میں ملازم رہ چکا ہے وہ بیلوں کو سدھاتا رہا ہے۔ وہ اخباروں کا رپورٹر اور ایڈیٹر رہ چکا ہے' اس نے پروفیسری بھی کی ہے۔ اس نے یورپ' ایشیا' افریقہ' الاسکا اور آسٹریلیا میں برسوں جادہ پیمائی کی ہے۔ اس نے پرنس آف ویلز کے ساتھ ہندوستان کا دورہ کیا ہے اور وہ پہلا امریکی ہے جسے افغانستان جیسے "خطرناک" ملک میں جانے کی اجازت ملی تھی۔

وہ اور اس کے آدمی دوسری جنگ عظیم کے دوران میں برطانوی' فرانسیسی' بلجی' اطالوی' امریکی اور عربی فوجوں کی محاذ جنگ پر فلمیں اتارتے رہے ہیں۔ جب وہ ہندوستان کے

Marfat.com

متعلق فلم بنانے وہاں گیا تو وہاں کی حکومت نے اس کے لئے ایک خاص ٹرین' ایک سٹیمر اور کئی ہاتھی وقف کر دیئے۔

پہلے پہل وہ پرنسٹن یونیورسٹی کے شعبہ فن تقریر میں پڑھایا کرتا تھا۔ میرے خیال میں وہ آج کل کا بہترین مقرر ہے۔ وہ امریکہ کے لاکھوں سامعین کے لئے ریڈیو سے فقط خبریں ہی نشر نہیں کرتا بلکہ اس کی آواز دنیا بھر میں سنی جاتی ہے۔ جب کبھی اس نے تقریر کرنی ہوتی ہے ہزاروں لوگ جوق در جوق کھنچے چلے آتے ہیں۔ مثلاً ایک دفعہ الطونا (پنسلونیا) میں تقریر کرنی تھی۔ سات ہزار لوگ اس کی آواز کی حدود میں آنے کے لئے بے تاب تھے۔ گذشتہ پندرہ برس سے جہاں کہیں بھی وہ تقریر کرتا ہے ہجوم کی یہی کیفیت ہوتی ہے۔

آپ کے خیال میں اس کی عمر کتنی ہو گی؟ اس قسم کے شاندار ریکارڈ کو مد نظر رکھتے ہوئے اس کی عمر ستر برس سے کم نہ ہونی چاہئے۔ لیکن اس کی عمر فقط پچاس برس ہے اور اس کے سر کا ایک بال بھی سفید نہ ہوا۔

میری ملاقات اس سے بیس برس پہلے ہوئی تھی جبکہ وہ پرنسٹن یونیورسٹی میں ایک طالب علم تھا۔ ان دنوں وہ قانون میں ڈاکٹریٹ کر رہا تھا۔ اس وقت نہ تو اس کے پاس دولت تھی اور نہ ہی شہرت۔ کامیابی نے اس پر کس قسم کا اثر کیا ہے؟ کیا وہ بدل گیا ہے؟ ہرگز نہیں۔ اس کے اندر آج بھی پہلے جیسا انکسار اور عجز ہے۔

نیویارک سے ستر میل دور اس کا اپنا ایک فارم ہے جو ساڑھے تین سو ایکڑ زمین پر مشتمل ہے۔ اگرچہ نیویارک میں اس کے اپنے کئی مکان موجود ہیں۔ لیکن وہ ہر شام ریڈیو سے خبریں نشر کرنے کے بعد اپنے اس فارم پر چلا جاتا ہے۔ وہ ریڈیو سے پورے سات بجے خبریں ختم کرتا ہے۔ اس کے فارم کی طرف جانے والی آخری ریل گاڑی گرینڈ سنٹرل سٹیشن سے سات بج کر پانچ منٹ پر روانہ ہوتی ہے۔ ریڈیو سٹیشن سے نکل کر خواہ وہ کار کتنی ہی تیز کیوں نہ چلائے' پھر بھی وقت پر سٹیشن نہیں پہنچ سکتا۔ لہٰذا نیویارک سنٹرل ریلوے نے یہ حکم جاری کر رکھا ہے کہ وہ ٹرین لوول ٹامس کو لئے بغیر سٹیشن سے حرکت نہ کرے۔

جب وہ دس برس کا تھا تو وہ کالو روڈا کے جوا کاخانوں میں اخبار بیچا کرتا تھا' وہاں اچھے سے اچھا لڑکا بھی خراب ہو جاتا ہے۔ لیکن ٹامس نہ تو سگریٹ پیتا ہے اور نہ ہی شراب کا عادی' وہ جوا بھی نہیں کھیلتا۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ ایک شاعر جیسی خاموش زندگی گزار رہا ہے' وہ اپنے گھر اور اپنے بیوی بچوں میں بے حد دلچسپی لیتا ہے۔ اس نے کالو ریڈو کی ایک لڑکی

Marfat.com

سے شادی کی تھی۔

اسے ایک دفعہ تقریر کرنے کا معاوضہ ایک سو پونڈ ملتا ہے۔ اس کے باوجود روزمرہ زندگی میں زیادہ باتیں نہیں کرتا۔ وہ دوسروں کی باتیں سننے کو ترجیح دیتا ہے۔ وہ سردیوں میں اپنے کمرے کے آتش دان کے سامنے فرش پر لیٹ جاتا ہے اور اپنے کتے کو اپنے پہلو میں لٹا کر پہروں شعلوں کو گھورتا رہتا ہے۔ اس کیفیت میں میں نے اسے کئی بار دیکھا ہے۔

اس کا شمار دنیا کے مصروف ترین لوگوں میں ہوتا ہے۔ اس کے باوجود میں نے اسے کبھی جلدی میں نہیں دیکھا۔ وہ بڑا پرسکون رہتا ہے۔ مثال کے طور پر ایک دفعہ میں دوسرے چند لوگوں کے ہمراہ اس کے فارم پر گیا ہوا تھا۔ واپسی کی صبح گاڑی چھوٹنے میں فقط سات منٹ تھے اور ہم ابھی تک فارم میں تھے۔ تمام لوگ جلدی کی رٹ لگا رہے تھے۔ لیکن لوول ٹامس بڑی پرسکون حالت میں تھا۔ اس نے بڑے آرام سے آتش دان میں آگ جلائی۔ ہم سب نے مل کر ناشتہ کیا اور پھر سٹیشن کی طرف چل پڑے۔ جب سٹیشن پر پہنچے تو گاڑی چھوٹنے میں ابھی ایک منٹ تھا۔

لوول ٹامس شاید دنیا کا واحد شخص ہے جس نے کار چلانے سے پہلے ہوائی جہاز چلانا سیکھا تھا۔

○

Marfat.com

ول روجرز

وہ بڑی خراب انگریزی بولتا اس کے باوجود تقریر کرنے کا معاوضہ ایک پونڈ فی سیکنڈ کے حساب سے لیتا۔

آپ کے خیال میں امریکہ میں سب سے زیادہ روپیہ کون کماتا ہے؟ میرا مطلب تاجروں سے نہیں جو کاروبار میں سرمایہ لگا کر دولت کماتے ہیں' میرا مطلب اس شخص سے ہے جو کسی قسم کا کاروبار میں سرمایہ لگائے بغیر فقط اپنی صلاحیت کے زور پر روپیہ کماتا ہے۔

چارلی چپلن؟ نہیں۔ چارلی چپلن نے گذشتہ کئی برس سے کوئی فلم نہیں بنائی۔ اس کے علاوہ وہ تو اب کاروباری آدمی ہے۔ اس کی اپنی فلم کمپنی ہے۔

گریٹا گاربو؟ نہیں۔

روڈی ویلی؟ نہیں۔

یہ سب سے زیادہ روپیہ کمانے والا ایک ایسا شخص تھا جس نے کوئی خاص تعلیم حاصل نہ کی تھی۔ وہ بڑی خراب انگریزی بولتا تھا' پھٹے پرانے کپڑے پہنتا تھا۔ بے حد آلکسی تھا' مقررہ وقت پر کبھی نہ پہنچا تھا اور چیونگھم کا بے حد شوقین تھا' اس کا نام ول روجرز تھا۔

اس نے تین فلمیں بنانے کا معاوضہ 55'000 پونڈ فی سال کے حساب سے لیا تھا۔ اسے اخبار میں ایک کالم لکھنے کے عوض 85 پونڈ یومیہ ملتے تھے۔ وہ ایک مضحکہ خیز تقریر کے لئے 200 پونڈ طلب کرتا تھا۔ ریڈیو پر تقریر کرنے کا معاوضہ وہ 66 پونڈ فی منٹ کے حساب سے لیتا تھا۔

ول روجرز الیکشن ڈے پر پیدا ہوا اور اس نے کانگرس کے متعلق بہترین لطیفے گھڑ کر ایک لاکھ پونڈ کمائے۔ لیکن اس نے بذات خود کبھی ووٹ نہ دیا تھا۔ حقیقت میں وہ کسی جگہ بھی ٹک کر نہ بیٹھا تھا۔ اس لئے اس کا ووٹ رجسٹرڈ نہ ہوا تھا۔ ویسے بھی وہ ووٹ ڈالنے کے حق میں نہ تھا۔ کیونکہ وہ کسی جذباتی تعصب کے بغیر اپنے دل کی بات کہنے کا عادی تھا۔

وہ امریکہ کی ریاست میں پیدا نہ ہوا تھا' اس کا تعلق حبشی علاقے سے ہے۔ وہ اولوگاہ

Marfat.com

سے چار میل دور ایک چھوٹے سے مکان میں پیدا ہوا۔ وہ مکان ابھی تک موجود ہے۔ اس مکان کے تھوڑے فاصلے پر سڑک کے کنارے محکمہ تعمیر عامہ نے یہ بورڈ لگا رکھا تھا۔ "اگر آپ نے ول روجرز کا مکان دیکھنا ہو تو اس طرف جائیں۔" سیاح جوق در جوق اس کا مکان دیکھنے جانے لگے۔ وہ یادگار کے طور پر اس کے مکان کی مختلف اشیاء اڑا لے جانے لگے۔ آخر لاچاری کے عالم میں وہ بورڈ وہاں سے ہٹا دیا گیا۔

ول روجرز کی ماں اسے ایک میتھوڈسٹ پادری بنانا چاہتی تھی۔ زندگی کے ابتدائی برسوں میں ول روجرز خود بھی پادری بننے کا خواہشمند تھا۔ اس کی ماں میتھوڈسٹ تھی اور وہ خود بھی۔

اس کی ماں اور باپ دونوں کی رگوں میں تھوڑا تھوڑا حبشی خون تھا' اس کی والدہ میں 1/4 اور باپ میں 1/8- ول روجرز ریاضی میں ہمیشہ کمزور رہا۔ وہ کبھی حساب نہ لگا سکا کہ اس کے اندر حبشی خون کتنی مقدار میں ہے۔

جب ول روجرز پہلی دفعہ نیویارک آیا تو ایک مال گاڑی میں بیٹھ کر آیا تھا۔ وہ اپنے ہمراہ بہت سے مویشی لایا تھا۔ وہ راستہ بھر مویشیوں کو چارہ ڈالتا اور پانی پلاتا آیا تھا۔ اوکلاہوما سے نیویارک تک اس نے مال گاڑی کے گھٹیا ڈبوں میں سفر کیا۔ جب وہ اپنے کاؤ بوائے والے ہیٹ اور دیہاتی کپڑوں کے ساتھ براڈوے میں سے گزر رہا تھا تو لوگ اسے دیکھ کر مذاق اڑاتے تھے۔ ایک آدمی نے چپکے سے عقب سے آکر اس کا ہیٹ اتار لیا اور دوسرے لوگ قہقہے لگانے لگے۔ جب آخری مرتبہ وہ نیویارک آیا تو ہوائی اڈے پر لوگوں کا ایک ہجوم اس کے استقبال کے لئے جمع تھا اور آٹوگراف کے شوقین اس پر ٹوٹ پڑے تھے۔

جوانی کے دنوں میں روجرز دنیا کی سیر کرنا چاہتا تھا۔ لہٰذا وہ جنوبی امریکہ چلا گیا اور وہاں چھوٹی موٹی ملازمتیں کرنے لگا۔ جب بوائر جنگ چھڑی تو وہ جنوبی افریقہ چلا آیا اور وہاں برطانوی رسالے کے لئے گھوڑے سدھارنے پر ملازم ہو گیا۔

جب جنگ ختم ہو گئی تو اس کی مالی حالت بگڑنے لگی۔ آخر وہ وقت بھی آگیا کہ وہ مجبوری کے عالم میں سپاہیوں کے ساتھ بیرکوں میں رہنے لگا۔ باورچی بچا کھچا کھانا اسے دے دیتا۔ امریکہ واپس جانے کی نیت سے وہ ایک چھوٹی سی سفری سرکس کے ساتھ ہو لیا۔ وہ سرکس میں چھوٹے موٹے تماشے بھی کرنے لگا۔ یہیں سے اس کی شہرت کا آغاز ہوتا ہے۔

بعد میں اس نے بیٹی بلیک سے شادی کر لی۔ جب اس نے پہلی دفعہ بیٹی بلیک کو دیکھا تو

اس وقت وہ اوکلا ہوما میں کلیئر مور کے پورچ کے سامنے بیٹھی سوڈا واٹر پی رہی تھی۔ روجرز نے ان دنوں نیا نیا سائیکل خریدا تھا۔ وہ بیٹی بلیک کے سامنے سائیکل کے کچھ کرتب کرتا رہا اور پھر جان بوجھ کر گر پڑا۔ اس کے سر پر چوٹ آئی۔ بیٹی بلیک بھاگی بھاگی آئی اور رومال سے اس کا خون صاف کرنے لگی۔ اسی طرح ان دونوں کی پہلی ملاقات ہوئی۔ اب وہ مسز ول روجرز ہے' اور تین بچوں کی ماں۔

ول روجرز عجیب و غریب حرکات کا مالک تھا۔ وہ دنیا کے بلند ترین طبقے میں اٹھتا بیٹھتا تھا۔ بادشاہ اور ملکہ اسے اپنے یہاں مدعو کیا کرتے تھے' اس کے باوجود وہ لباس کے سلسلے میں بڑا بے نیاز واقع ہوا تھا۔ جب اس نے فلم میں کام کرنا ہوتا اور وہاں اسے کسی منظر میں سوٹ وغیرہ پہننا پڑتا' تو بہ امر مجبوری پہن لیتا۔ اس نے اپنی جیب میں ایک پونڈ سے زیادہ رقم کبھی نہ رکھی تھی۔ وہ اپنی کار بھی خود ہی چلاتا' اس نے شوفر رکھنے کی ضرورت کبھی محسوس نہ کی تھی۔ اس نے کبھی سگریٹ بھی نہ پیا تھا۔

وہ اکثر میلے اور پرانے کپڑے پہنے رہتا۔ ہالی وڈ اور لاس اینجلز آتے وقت اس نے کبھی اہتمام نہ کیا تھا۔

جب وہ ہوائی جہاز کے ایک حادثے کا شکار ہو گیا تو اس کی موت کا ساری دنیا کو افسوس ہوا۔

○ ○ ○

Marfat.com

فکشن ہاؤس کی شاہکار کتابیں

پریشان ہونا چھوڑیئے، جینا شروع کیجئے	ڈیل کارنیگی
میٹھے بول میں جادو ہے	ڈیل کارنیگی
گفتگو اور تقریر کا فن	ڈیل کارنیگی
39 بڑے آدمی	ڈیل کارنیگی
مانیں نہ مانیں	ڈیل کارنیگی
کامیاب لوگوں کی دلچسپ باتیں	ڈیل کارنیگی
ابراہام لنکن (سوانح عمری)	ڈیل کارنیگی
کلیات ڈیل کارنیگی	مرتب: اسلم کھوکھر
کلیات خلیل جبران	مرتب: ملک اشفاق
خلیل جبران کے شاہکار افسانے	مرتب: ملک اشفاق
ٹیگور کے شاہکار افسانے	مرتب: اسلم کھوکھر
تلاش حق	مہاتما گاندھی
خانہ بدوش	اجیت کور
مشرق کی بیٹی	بے نظیر بھٹو
تزک ہٹلری	ایڈولف ہٹلر
داستان مسولینی	بینٹو مسولینی
داستان نپولین	ا۔ میلی لڈوگ
ذوالفقار علی بھٹو ولادت سے شہادت تک	سجاد بخاری
تاریخ ٹیپو سلطان	سید میر علی کرمانی

فکشن ہاؤس
18- مزنگ روڈ، لاہور

Marfat.com